

فتویٰ کی ضرورت و اہمیت، آداب و شرائط

ڈاکٹر حافظ غلام یوسف*

اسلام ایک روح پرور دین ہے۔^(۱) وہ مکمل ضابطہ حیات اور جامع دستور ہے۔^(۲) اللہ تعالیٰ کا یہ آخری پیغام کامل و مکمل طور پر دنیا کے سامنے آچکا ہے۔ اس رواں دواں زندگی کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو شریعت نازل فرمائی ہے اس میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ہر حال میں دنیا کی رہنمائی کر سکے، اور ہر منزل میں تغیر پذیر انسانیت کا ساتھ دے سکے، وہ کسی خاص عہد کی تہذیب یا کسی خاص دور کا فن تعمیر نہیں ہے جو اُس دور کی یادگاروں کے اندر محفوظ ہو، اور اپنی زندگی کھوچکا ہو، بلکہ وہ زندہ ہے اور علیم و حکیم صانع کی صنعت کا بہترین نمونہ ہے۔

موجودہ صنعتی و ماڈی دور اور مشینی و سائنسی زمانہ میں بھی قرآن و حدیث کے معطر خزانہ میں زندگی اور اس کے ارتقائی پہلو کی پوری توانائی موجود ہے۔ شریعت کے ضوابط آسان ہیں^(۳) اور اسلامی قوانین میں کوئی تنگی نہیں۔^(۴) اسلامی قوانین حکمت سے معمور، نہایت معقول اور مدلل ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے شارع صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم الہی کے شارح و مفسر ہیں۔ جیسا کہ قرآن و حدیث میں متعدد مقامات پر اس کی وضاحت کی گئی ہے۔^(۵) اسی بناء پر خدائی قانون میں تبدیلی محال ہے۔

ماحول کے اثرات کا مقابلہ کرنے اور مکان و زمان کی تبدیلیوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے دو انتظامات فرمائے ہیں:

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی کامل و مکمل اور زندہ تعلیمات عطا فرمائی ہیں جو ہر کشمکش اور ہر تبدیلی کا باسانی مقابلہ کر سکتی ہیں، اور ان میں ہر زمانہ کے مسائل و مشکلات کو حل کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ اس دین کو ہر دور میں ایسے زندہ اشخاص عطا فرماتا رہے گا جو ان تعلیمات کو زندگی میں منتقل کرتے رہیں گے اور اجتماعی یا انفرادی حیثیت سے اس دین کو تازہ اور اُمت کو سرگرم عمل

رکھیں گے، اس دین میں ایسے اشخاص کے پیدا کرنے کی صلاحیت و طاقت ہے، جن کا اس سے پہلے کسی مذہب میں اظہار نہیں ہوا۔ یہی وہ جماعت ہے جس کو اُمت مسلمہ ”فقہاء“ کے نام سے تعبیر کرتی ہے۔

شریعت اسلامیہ کے اولین بنیادی مآخذ قرآن و حدیث کے احکام واضح ہونے کے ساتھ ساتھ ہر طرح مکمل اور ہر دور کیلئے قابل عمل ہیں۔ زمانے کے حالات کے مطابق اسلامی قانون میں اجتہاد و استنباط مسائل کی گنجائش ہمیشہ سے موجود رہی ہے تاہم اجتہاد و استنباط مسائل اسی صورت میں ہو سکتے ہیں جہاں متعلقہ مسئلے میں قرآن و حدیث خاموش ہوں۔

مسند الامام احمد بن حنبل اور سنن ابی داؤد میں موجود حدیث، اجتہاد و استنباط کی ضرورت کو واضح کرتی ہے: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو (قاضی و حاکم بنا کر) یمن روانہ کیا تو اُن سے (بطور امتحان) پوچھا کہ جب تمہارے سامنے کوئی قضیہ پیش ہو گا تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ ”میں کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اگر تمہیں وہ مسئلہ (صراحتاً) کتاب اللہ میں نہ ملا؟“ انہوں نے کہا ”پھر میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق فیصلہ کروں گا“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اگر تمہیں وہ مسئلہ سنت رسول اللہ میں بھی نہ ملا؟“ حضرت معاذؓ نے کہا ”پھر میں اپنی عقل سے اجتہاد کروں گا اور (اپنے اجتہاد و حقیقت رسی میں) کوتاہی نہیں کروں گا“ حضرت معاذؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے (یہ سن کر) اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا اور فرمایا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے رسول خدا کے قاصد کو اس چیز کی توفیق عطا کی جس سے اس کا رسول راضی ہو۔ (۷)

شریعت اسلامیہ زندہ و تابندہ احکام کا مجموعہ ہے۔ اس میں عقل کے استعمال کو اُبھارا گیا ہے۔ (۸) وہ عدل و مصلحت پر مشتمل ہے مگر شریعت اور فقہی استنباط (۹) کے درمیان فرق کو ذہن نشین رکھنا ضروری ہے۔ شریعت بالکل نقص سے پاک ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں (۱۰) جبکہ فقہی استنباط میں چونکہ اجتہاد کا دخل ہوتا ہے، اس لئے اس میں نظر ثانی اور ترمیم کی گنجائش موجود ہے۔

علماء و فقہاء، زمانہ قدیم ہی سے قرآن اور حدیث کے اصولی احکام یا نصوص شرعیہ کی روشنی میں فقہ اور اصول فقہ پر شاندار تصنیفات مرتب کرتے چلے آئے ہیں، یہ موجودہ زمانے میں بھی ایک نظیر یا ”زولنگ“ کا کام دیتے ہیں۔ اگرچہ دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں فقہ کے تفصیلی مباحث کی ضرورت پیش نہ آئی تھی اس لئے وہ ایک فن کی حیثیت سے مدوّن نہیں ہوئی تھی۔ (۱۱)

افتاء اپنی ماہیت کی رو سے احکامِ الہیہ کے کشف و اظہار کا نام ہے۔ یہ فقہی مسائل و احکام کا شرعی حل دریافت کرنے کی سعی و کاوش سے عبارت ہے۔ افتاء کا کام سب سے زیادہ حساس و نازک ہے۔ یہ ایک مسلسل، متحرک، تدریجی اور ارتقائی عمل ہے۔ اس لئے افتاء کا عمل کبھی رک نہیں سکتا، اسے ہمیشہ آگے بڑھنا اور پھیلنا ہے، افتاء کا جمود مذہبی زندگی کی موت ہے اور اس کا تسلسل ہی قانون کا ارتقاء ہے۔ (۱۲)

فتویٰ کے بغیر عوام میں مذہبی رجحان اور دینی ذوق کی پرورش ممکن نہیں، چنانچہ افتاء کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود دین اسلام کی۔ تاہم فتویٰ پوچھنے اور فتویٰ دینے کے طریقے بدلتے رہے ہیں، اور فتاویٰ کی جمع و تالیف بھی مختلف انداز سے کی جاتی رہی ہے۔

عہد رسالت اور عہد صحابہ میں استفتاء اور فتویٰ کا سلسلہ اکثر و بیشتر زبانی تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں صحابہ کرام پیش آمدہ مسائل میں آپؐ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے، ہر قسم کے سوالات و جوابات اور استفسار کا مرکز آپؐ ہی کی ذات گرامی رہی، اس لئے مستقل فن کی حیثیت سے تدوین کی طرف توجہ بھی نہیں ہوئی، آپؐ کی وفات کے بعد صحابہ کرام مرکز افتاء تھے اور وہ حضرات بھی سب کے سب صاحبِ فتویٰ نہ تھے، جو حضرات صاحبِ فتویٰ تھے ان کی تین قسمیں ہیں، کثیر الفتاویٰ، متوسط الفتاویٰ، اور قلیل الفتاویٰ۔ (۱۳)

جوں جوں اسلامی مملکت میں وسعت ہوئی ہر جگہ مختلف قوموں نے اسلام اور اس کی ابدی صداقت کے اصولوں کو تسلیم کیا، نئی تہذیب و تمدن اور نئی معاشرتوں کا سامنا ہوا، قوموں کے اختلاط اور معاشرتی ضرورتوں نے نئے نئے مسائل کو جنم دیا، تو جواباً اس دور کے تقاضوں کو بوجہ احسن پورا کرنے کے لئے علماء و فقہاء نے قرآن و سنت کی روشنی میں علوم و فنون کا ایک گلدستہ تیار کیا۔

ان ہی علوم و فنون میں سے ”علم الفقہ“ کا فن (۱۴) بھی وجود میں آیا اور تدریجاً ارتقائی منازل طے کرتا رہا۔ فقہاء نے نہایت عرق ریزی اور جانفشانی کے ساتھ فقہ کے رہنما اصول مرتب کئے، انہوں نے بلا ریب قرآن و حدیث کو سمجھنے اور نئے مسائل کا استنباط کرنے میں نہایت خلوص سے محنت کی، اس کام میں کسی قسم کی خود غرضی یا نفسانیت کا تصور بھی نہیں ہے۔ مگر اس کے باوجود یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ چونکہ ”فقہ“ کا تعلق متحرک و متغیر زندگی کے ساتھ ہے اس لئے اس میں بعض مسائل، حالیہ دور کے مزاج اور ضروریات کے لحاظ سے ناکافی اور ان کی بعض صورتیں وقت گزرنے کے ساتھ غیر ضروری ہو چکی ہیں۔

☆ مجموعی اعتبار سے ”فہم نصوص“ میں اختلاف ممکن ہے علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

”قرآن و حدیث کے سمجھنے میں لوگوں کی فہم و فراست یکساں نہیں ہوتی، بلکہ اس میں تفاوت اور کمی بیشی ہوتی ہے، ایک ہی آیت سے ایک شخص ایک یا دو حکم سمجھتا ہے تو دوسرا اس سے دس بلکہ اس سے بھی زیادہ احکام سمجھ لیتا ہے، بعض کا فہم صرف الفاظ ہی تک رہتا ہے، بیان، اشارہ، تنبیہ اور اعتبار وغیرہ تک اس کی رسائی نہیں ہوتی۔ بعض اس سے بھی زیادہ تیز فہم ہوتے ہیں وہ ایک آیت کو دوسری آیت سے ملا کر بہت باریک معنی تک پہنچ جاتے ہیں اور مفرد لفظ سے جو معنی ذہن میں نہیں آتے وہ اُسے حاصل کر لیتے ہیں، یہ تو صرف خداداد صلاحیت ہے بہت کم اہل علم ہیں جو اس مرتبہ تک پہنچتے ہیں۔“ (۱۵)

صرف ”فہم نصوص“ ہی نہیں بلکہ فقہاء نے اختلاف کی مزید وجوہ بھی بیان کی ہیں۔ (۱۶)

عہد رسالت ہو یا عہد صحابہ و تابعین، ائمہ مجتہدین کا دور تدوین فقہ و اجتہاد ہو یا تقلید محض کا دور، قرون وسطیٰ کا زمانہ ہو یا پندرہویں صدی ہجری ہو، خطہ عرب ہو یا سرزمین برصغیر پاک و ہند، افتاء ہر زمانے اور ہر علاقہ کے مسلمانوں کی ضرورت رہی ہے فتویٰ پوچھنے اور فتویٰ دینے کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد سے شروع ہوتا ہے اور یہ تسلسل بغیر کسی وقفہ کے جاری ہے کسی مرحلہ پر جمود پیدا نہیں ہوا۔

شرعی معلومات میں چاہے اُن کا تعلق عقائد سے ہو یا عبادات سے، معاملات سے ہو یا اخلاق و اعمال سے، معاشرت سے ہو یا سیاست مدنی سے انسانی زندگی میں بیسیوں ایسے مواقع آتے ہیں جہاں انسان کو رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں ایک مسلمان فقہ و فتاویٰ اور ”مفتی“ کی رہبری کا محتاج ہوتا ہے ہر شخص کو اپنی منہمک زندگی میں فرصت اور پھر صلاحیت کہاں کہ وہ قرآن و حدیث کا غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کرے اور ضرورت کے وقت پیش آمدہ مسائل کا خود حل تلاش کر لے۔

اس لئے عقل سلیم کا تقاضا ہے کہ قرآن و سنت پر نظر عمیق رکھنے والی ایک جماعت مسائل ضروریہ مستنبط کر کے یکجا کرتی رہے تاکہ اُمت کے عام افراد اپنے روز مرہ کے پیش آمدہ مسائل میں صحیح رہنمائی حاصل کر سکیں۔ انہی مستنبط احکام و مسائل کا نام فقہ و فتاویٰ ہے۔

مفتیان کرام کی جماعت جن کو فقہ سے مناسبت تامہ ہوتی ہے ہر زمانہ میں پائی گئی ہے اور عوام و خواص ہر ایک کا اس جماعت کی طرف رجوع عام رہا ہے اور یہ جماعت اپنے علمی رسوخ، خدا داد

صلاحیت اور مخصوص قوتِ ادراک کی وجہ سے اس کام کو بخوبی انجام دینے میں ممتاز اور نمایاں رہی ہے، اس جماعت نے افتاء کو اپنا فریضہ منہجی تصور کرتے ہوئے ہمیشہ ہی مسلمانوں کی رہنمائی کی۔

لفظ ”فتویٰ“ کا لغوی مفہوم

فتویٰ^{۱۶} یہ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کی جمع فتاویٰ ہے۔ اس کا مادہ ”ف. ت. ی“ یعنی (فتی) ہے۔ اس لفظ کا استعمال کثیر معانی کے لئے ہوتا ہے۔ جوان، جوان ہونا، لڑکا، بوڑھا، جوان مرد، جوان عورت^(۱۷) خادم اور غلام کو بھی فتی کہا جاتا ہے۔^(۱۸) ”تاج العروس“ میں ہے: ”الْفَتَى فِي الْأَصْلِ يُقَالُ لِلشَّابِّ الْحَدِيثِ ثُمَّ أُسْتَعْبِرَ لِلْعَبْدِ وَإِنْ كَانَ شَيْخًا مَجَازًا“^(۱۹) یعنی ”فتی“ اصل میں نو عمر جوان کو کہا جاتا ہے پھر غلام کے لئے اسکو بطور مجازاً استعمال کیا جانے لگا اگرچہ وہ غلام بوڑھا ہی کیوں نہ ہو اور فتی کا تثنیہ فَتَيَانٍ اور جمع فَتَيَّةٌ، فَتَيَانٌ آتی ہے۔^(۲۰)

لسان العرب میں ہے فتی بعض کے نزدیک الْفُتُوَّةُ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کرم، سخاوت، مروّت، اور زور آوری اور فتویٰ کو بھی فتویٰ اسی لئے کہتے ہیں کہ فتویٰ دینے والا مفتی اپنی فُتُوَّةُ (یعنی سخاوت و مروّت اور عالمانہ قوت) سے کام لیتے ہوئے کسی دینی مسئلہ کا حل پیش کرتا ہے۔^(۲۱)

اس لفظ کا استعمال مختلف ابواب میں ہوتا ہے، فِتَا يَفْتُو فَتْوًا سَخَاوَةً وَجَوَانِمُدِي مِيں غَالِبٌ هُونَا، فَتَى يَفْتَى اَزْ بَابِ تَفَعُّلٍ، جَوَانٌ هُونَا، فَتَى يَفْتَى تَفْتِيَةً اَزْ بَابِ تَفَعُّلٍ، پَرْدَةٌ نَشِيْنٌ اِخْتِيَارٌ كَرْنَا، لَرُكُوْنٌ كِيْسَاتِهٖ كِهِيْلَةٌ سَهْ رَكْنَا، اَفْتَى يَفْتَى اِفْتَاءً، طَاهِرٌ كَرْنَا، فَتَوَى دِيْنَا، تَفَاتَا يَنْفَاتَا اَزْ بَابِ تَفَاعُلٍ، صَاْحِبٌ سَخَاوَةً هُونَا وَغِيْرَهٗ مَعَانِي اَتَتْ هِيْنَ۔^(۲۲)

لفظ ”فتویٰ“ کے اصطلاحی معنی:

عربی لغت کے معروف امام، ابن منظور فتویٰ کا اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فَتَى، فَتَوَى اِسْمَانٌ يُوْضَعَانِ مَوْضِعَ الْاِفْتَاءِ، وَ يُقَالُ: اَفْتَيْتُ فُلَانًا رُوْيَا رَاَهَا اِذَا عَبَّرْتُهَا لَهُ، وَ اَفْتَيْتُهُ فِي مَسْئَلَتِهِ^(۲۳) یعنی فتی اور فتویٰ ایسے دو اسم ہیں جو کہ افتاء کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے میں نے فلاں کو اس خواب کی تعبیر بتائی جو اس نے دیکھا تھا اور میں نے اس کے مسئلہ کے بارے میں اس کو فتویٰ دیا۔ وَ يُقَالُ: وَ اَفْتَاهُ فِي الْاَمْرِ اَبَانَةً لَهُ وَ اَفْتَى الرَّجُلُ فِي الْمَسْئَلَةِ وَ اَسْتَفْتَيْتُهُ فِيهَا فَافْتَانِي اِفْتَاءً^(۲۴) اور کہا جاتا ہے وَ اَفْتَاهُ فِي الْاَمْرِ اس کے لئے اس کو واضح کیا اور آدمی نے مسئلہ کا جواب دیا اور میں نے اس سے مسئلہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے مجھے فتویٰ دیا۔

الْفُتُوَى، الْفُتُوَى، الْفُتُوَى تینوں الفاظ کا ایک ہی مفہوم ہے ”مَا أَفْتَى بِهِ الْفَقِيهُ“، (۲۵) مَا أَفْتَى بِهِ الْعَالِمُ، (۲۶) ماہر شریعت کا فیصلہ، قانونی رائے، مذہبی حکم، شرعی حکم، (۲۷) مفتی کا فیصلہ، قاضی کا شرعی فیصلہ جو کسی بات کے جواز یا عدم جواز میں دیا جائے (۲۸) شریعت کا حکم اور فیصلہ۔ (۲۹)

لفظ ”فتویٰ“ اپنے معروف معنی میں عربی، اردو اور فارسی میں یکساں طور پر استعمال ہوتا ہے۔

إِفْتَاءً: إِفْتَاءً اور فتویٰ دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے، یعنی فتویٰ دینا، (۳۰) فتویٰ کا جواب دینا، (۳۱) کسی مسئلہ کا جواب دینا اس میں حکم شرعی بیان کرنا۔ (۳۲)

مفتی: مفتی جو علم فقہ کا ماہر ہو اور جو مسائل کا جواب دے، (۳۳) حاکم شرع اور فقیہ کو بھی مفتی کہا جاتا ہے۔ (۳۴)

استفتاء: فتویٰ طلب کرنے، (۳۵) فتویٰ لینے، شرعی حکم معلوم کرنے، قانونی رائے طلب کرنے، (۳۶) مسئلہ پوچھنے، شرعی حکم دریافت کرنے اور فتویٰ چاہنے کو ”استفتاء“، (۳۷) کہا جاتا ہے۔

مستفتی: فتویٰ طلب کرنے اور کسی معاملے میں شرعی حکم چاہنے والے کو مستفتی کہتے ہیں۔ (۳۸)

قرآن کریم میں لفظ ”فتویٰ“ کا استعمال

قرآن کریم میں لفظ فتویٰ اور اس کے مشتقات کا استعمال اکیس (۲۱) مقامات پر ہوا ہے جن میں گیارہ مقامات پر تو فتویٰ کا لفظ تحقیق و طلب کے معانی مثلاً حکم دینا، تحقیق طلب کرنا، خواب کی تعبیر پوچھنا، مشورہ طلب کرنا وغیرہ میں استعمال ہوا ہے اور دس (۱۰) مقامات پر نوجوان مرد اور نوجوان عورت کے لئے واحد، ثننیہ، جمع تینوں طریقوں سے استعمال ہوا ہے۔

تحقیق و طلب کے معانی میں:

۱- وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ (۳۹) اور (اے پیغمبر) لوگ آپ سے (یتیم) عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اللہ تم کو ان کے (ساتھ نکاح کرنے کے) معاملے میں اجازت دیتے ہیں۔

۲- يَسْتَفْتُونَكَ، قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ (۴۰) (اے پیغمبر) لوگ آپ سے (کلالہ کے بارے میں) حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ کلالہ کے بارے میں یہ حکم دیتے ہیں۔

۳- قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِينَ- (۴۱) جس بارہ میں تم مجھ سے پوچھتے تھے وہ اسی طرح مقدر ہو

چکا ہے۔

۴- يَا يُهَا الْمَلَأَ افْتُونِي فِي رُءِ يَأَى اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءِ يَا نَعْبُرُونَ۔ (۴۲) اے سردارو! اگر تم خوابوں کی تعبیر دے سکتے ہو تو مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ۔

۵- يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ افْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعُ عِجَافٍ۔ (۴۳) یوسف اے بڑے سچے ہم لوگوں کو (اس خواب کی تعبیر) بتائیے کہ سات موٹی گائیوں کو سات ڈبلی گائیں کھا رہی ہیں۔

۶- وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِنْهُمْ أَحَدًا۔ (۴۴) اور اُن کے بارے میں اُن لوگوں میں سے کسی سے کچھ دریافت ہی نہ کرنا۔

۷- قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ افْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُونِ۔ (۴۵) کہنے لگی کہ اے اہل دربار میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو، جب تک تم حاضر نہ ہو (اور صلاح نہ دو) میں کسی کام کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی۔

۸- فَاسْتَفْتِهِمْ أَهْمُ اشْدُ خَلْقًا أَمْ مَنْ خَلَقْنَا۔ (۴۶) آپ ان سے پوچھیے کہ ان کا بنانا مشکل ہے یا جتنی مخلوق ہم نے بنائی ہے اُن کا؟

۹- فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبُنُونَ۔ (۴۷) آپ ان لوگوں سے پوچھیے تو کہ بھلا تمہارے پروردگار کے لئے تو بیٹیاں اور اُن کے لئے بیٹے۔

جوان مرد یا جوان عورت کے معانی میں:

۱- وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمَنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فِتْيَانِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ۔ (۴۸) اور جو شخص تم میں سے پوری قدرت نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو مومن باندیوں ہی سے جو تمہاری مملوکہ ہیں نکاح کرے۔

۲- وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا۔ (۴۹) اور شہر میں عورتیں گفتگو کرنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کے واسطے اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے اور اُس کا دل اُس کی محبت میں فریفتہ ہو گیا ہے۔

۳- وَ دَخَلَ مَعَهُ السَّجْنَ فَتَيْنِ (۵۰) اور ان کے ساتھ دو اور نوجوان بھی قید خانہ میں داخل ہوئے۔

۳- وَقَالَ لِفَتْيِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ^(۵۱) اور (یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اپنے خدام سے کہا کہ ان کا سرمایہ (یعنی غلہ کی قیمت) ان کے اسباب میں (چھپا کر) رکھ دو تاکہ جب یہ اپنے اہل و عیال میں جائیں تو اس کو پہچان لیں اور شاید کہ یہ پھر یہاں آئیں۔

۵- إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا مِن لَّدُنكَ رَحِمَةً وَهِيَ لَنَا مِن أَمْرِنَا رَشَدًا^(۵۲) جب اُن جوانوں نے غار میں جا کر پناہ لی تو کہنے لگے اے ہمارے پروردگار ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی کا سامان مہیا کر دیجئے۔

۶- إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى^(۵۳) وہ لوگ چند جوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو زیادہ ہدایت دی تھی۔

۷- وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا^(۵۴) اور جب (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اپنے خادم سے کہا کہ جب تک میں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں نہ ہٹوں گا یا یوں ہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا۔

۸- فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ إِنَّا لَنَدْعُوكَ نَا لَقَدْ لَقِينَا مِن سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا^(۵۵) پھر جب دونوں آگے چلے تو (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) اپنے خادم سے کہا ہمارے لئے ناشتہ لاؤ اس سفر سے ہم کو بہت تھکان ہو گئی ہے۔

۹- قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَدْعُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ^(۵۶) لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایک جوان آدمی کو اُن کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے اُسے ابراہیم کہتے ہیں۔

۱۰- وَلَا تُكْرِهُوا فَتِيَّتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنِ ارْتَدْتُمْ تَحْصِنًا لَّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا^(۵۷) اور اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور مت کرو (اور بالخصوص) جب وہ پاک دامن رہنا چاہیں محض دنیاوی زندگی کے فوائد حاصل کرنے کے لئے۔

احادیث مبارکہ اور لفظ ”فتویٰ“

احادیث مبارکہ میں بھی فتویٰ کا لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے۔ بطور نمونہ چند مرفوع روایات اور آثارِ صحابہ پیش خدمت ہیں۔ جن میں فتویٰ کی اہمیت و نزاکت کے ساتھ ساتھ غلط فتویٰ دینے والوں کے بارے میں سخت وعید کا بھی بیان ہوا ہے۔

۱- مَنْ أَفْتَى النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ لَعَنَتْهُ مَلَائِكَةُ السَّمَاءِ وَمَلَائِكَةُ الْأَرْضِ - (۵۸) جو شخص لوگوں کو بغیر علم فتویٰ دے اس پر آسمان و زمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

۲- عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مَنْ أَفْتَى بِفُتْيَا مِنْ غَيْرِ ثَبِتٍ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ - (۵۹) حضرت ابن عباسؓ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے بغیر علم کے کوئی فتویٰ دیا تو اس کا گناہ مفتی پر ہے (نہ کہ مستفتی پر)۔

۳- عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَجْرٌ وَكُمُ عَلَى الْفُتْيَا أَجْرٌ وَكُمُ عَلَى النَّارِ - (۶۰) عبید اللہ ابن ابی جعفر فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ تم میں سے فتویٰ بازی پر سب سے زیادہ جرأت کرنے والا جہنم کی آگ پر سب سے زیادہ جرأت کرنے والا ہے۔

۴- عَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبُدٍ الْأَسَدِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَوْ أَبْصَعْتُ بِصَةِ جِئْتُ تَسْأَلُ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ؟ قَالَ: قُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: فَجَمَعَ أَصَابِعَهُ فَضْرَبَ بِهَا صَدْرَهُ، وَقَالَ اسْتَفْتِ نَفْسَكَ، اسْتَفْتِ قَلْبَكَ يَا وَابِصَةُ ثَلَاثًا أَلْبِرُ مَا إِظْمَنْتُ إِلَيْهِ النَّفْسُ وَأَطْمَأَنَّ الْقَلْبُ، وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي النَّفْسِ وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ وَأَفْتَوْكَ - (۶۱)

حضرت وابصہؓ ابن معبد اسدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: وابصہ! تم یہی تو پوچھنے آئے ہو کہ نیکی کیا ہے اور گناہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں! (ان کا بیان ہے کہ یہ سن کر) آپ نے اپنی انگلیوں کو اکٹھا کیا اور میرے سینے پر مار کر فرمایا کہ اپنے آپ سے دریافت کرو، اپنے دل سے دریافت کرو آپ نے یہ الفاظ تین مرتبہ فرمائے، اور پھر فرمایا کہ نیکی وہ ہے جس سے انسان خود مطمئن ہو جائے اور جس سے اس کے دل کو سکون حاصل ہو جائے اور گناہ وہ ہے جس سے انسان کا وجود خلش محسوس کرے اور جس سے اس کے دل و سینہ میں شک و تردد پیدا ہو جائے اگرچہ لوگ تجھے اُس کے صحیح ہونے کا فتویٰ دیں اور لوگ تجھے فتویٰ دیں گے۔

۵- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُحِرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى إِذَا لِيُحِيلَ إِلَيْهِ أَنَّهُ فَعَلَ الشَّيْءَ وَمَا فَعَلَهُ حَتَّى إِذَا كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ عِنْدِي دَعَا اللَّهَ وَدَعَاهُ ثُمَّ قَالَ أَشْعَرْتِ يَا عَائِشَةُ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَفْتَانِي فِيمَا اسْتَفْتَيْتُهُ - (۶۲)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (جب) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا تو (آپ کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ) کسی کام کے بارے میں آپ کا خیال ہوتا کہ یہ کام کر لیا ہے حالانکہ وہ

کام کیا نہ ہوتا تھا (کافی دنوں تک آپ کی یہی حالت رہی) تا وقتیکہ ایک دن جب آپ میرے پاس تھے آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور خوب دعا کی اور پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ عائشہ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ بات بتا دی ہے جو میں نے اللہ سے دریافت کی تھی۔

۶- عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْتَزِعُ الْعِلْمَ مِنَ النَّاسِ إِنْتِزَاعًا وَ لَكِنْ يَقْبِضُ الْعُلَمَاءَ فَيَرْفَعُ الْعِلْمَ مَعَهُمْ وَ يَبْقَى فِي النَّاسِ رُءُوسًا جَهْلًا يُفْتُونُهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَيَضِلُّونَ وَ يُضِلُّونَ ، وَ فِي رِوَايَةٍ فَسُئِلُوا فَأَفْتُوا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَ أَضَلُّوا۔ (۶۳)

حضرت عبد اللہ ابن عمرو فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ علم کو (آخری زمانہ میں) اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ لوگوں (کے دل و دماغ) سے اُسے نکال لے، بلکہ علم کو اس طرح اٹھائے گا کہ علماء کو (اس دنیا سے) اٹھا لے گا، پھر ان کے ساتھ علم کو بھی اٹھا لے گا اور لوگوں کے سردار جاہل باقی رہ جائیں گے اور وہ لوگوں کو بغیر علم کے فتوے دینگے پس وہ خود بھی گمراہ ہونگے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان سے سوال پوچھا جائے گا پس وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے (جس کے نتیجہ میں) وہ خود بھی گمراہ ہونگے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

۷- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ : رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : مَنْ قَالَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلَيْتَبَوَّأَ بَيْتًا فِي جَهَنَّمَ ، وَ مَنْ أَفْتَى بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلَيَّ مِنْ أَفْتَاهُ وَ مَنْ أَشَارَ عَلَيَّ بِأَمْرٍ يَعْزِمُ أَنَّ الرُّشْدَ فِي غَيْرِهِ فَقَدْ خَانَهُ۔ (۶۴)

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے میری طرف ایسی بات کی نسبت کی جو میں نے نہیں کہی، اُسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے، اور جس شخص کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا ہو تو اس کا گناہ اس شخص پر ہوگا جس نے اس کو غلط فتویٰ دیا اور جس کسی نے اپنے بھائی کو ایسے کام کے بارے میں مشورہ دیا جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ اس کی بھلائی اس میں نہیں ہے تو اس نے خیانت کا ارتکاب کیا۔

۸- عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَنْ أَفْتَى بِفُتْيَا يُعْمَى عَلَيْهَا فَاتْمَهَاعَلَيْهِ۔ (۶۵)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جس نے ایسا فتویٰ دیا کہ وہ اس کو جانتا نہیں تھا تو اس کا گناہ اسی فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔

۹- عن ابن مسعودٍ ، قَالَ: إِنَّ الَّذِي يُفْتَى النَّاسَ فِي كُلِّ مَا يُسْتَفْتَى لَمَجْنُونٌ۔ (۶۶) حضرت ابن مسعود سے روایت ہے فرماتے ہیں وہ شخص جو ہر ایک استفتاء کا فتویٰ دے دیتا ہے بلاشبہ وہ شخص مجنون ہے۔

نوٹ: ایسی احادیث اور آثار صحابہ بکثرت موجود ہیں جن میں فتویٰ کی اہمیت اور نزاکت کو بیان کیا گیا ہے۔ (۶۷)

فتویٰ کی ضرورت واہمیت:

قرآن حکیم اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں افتاء کی اہمیت و ضرورت کو بڑے حکیمانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ فَسَلُّوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (۶۸) اور (اے محمد) آپ سے پہلے بھی تو ہم نے آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا (یہی تھا) کہ ان کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھ لو۔

اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

- ۱- دنیا میں جتنے بھی حضرات انبیاء تشریف لائے وہ سب کے سب انسان ہی تھے۔
- ۲- اگر کسی شخص کو کوئی بات معلوم نہ ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اہل علم سے دریافت کرے۔

قرآن کریم کی دو آیات (۶۹) میں لوگوں کے فتویٰ پوچھنے کے جواب میں ”افتاء“ کا لفظ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے استعمال فرمایا جس سے اس منصب کی جلالت شان کا اندازہ ہوتا ہے اور یقیناً یہ نسبت اس عظیم منصب اور اس پر فائز ہونے والے اہل علم کی اہمیت و فضیلت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ معاملات چاہے دنیوی ہوں یا دینی، عدم واقفیت کی صورت میں اہل علم سے رجوع کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ بغیر صحیح علم کے اللہ اور رسول کی اطاعت نہیں ہو سکتی۔ ناواقفیت ایک مرض ہے جس کا علاج علم ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ حدیث شریف سے اس بارے میں اہم رہنمائی ملتی ہے:

عن ابن عباس: أَنَّ رَجُلًا أَصَابَتْهُ جِرَاحَةٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَأَصَابَتْهُ حَنَابَةٌ، فَاسْتَفْتَى فُافْتِيَ بِالْغُسْلِ، فَاعْتَسَلَ فَمَاتَ، فَلَبَّغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: ” قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللَّهُ، أَلَمْ يَكُنْ شِفَاءَ الْعِيِّ السُّؤَالُ؟“ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ: قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللَّهُ إِلَّا سَأَلُوا إِذْ لَمْ

يَعْلَمُوا فَإِنَّمَا شَفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ؟ (۷۰)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک شخص زخمی ہو گیا پھر اس کو جنابت کی وجہ سے غسل کی ضرورت پیش آئی اس نے فتویٰ طلب کیا تو اُسے فتویٰ دیا گیا کہ وہ غسل کرے پھر اس نے غسل کیا (جس کی وجہ سے) وہ مر گیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا لوگوں نے اُسے قتل کر دیا اللہ انہیں ہلاک کرے (اور پھر فرمایا) اُن کو جو بات معلوم نہ تھی اُسے انہوں نے دریافت کیوں نہ کر لیا؟ کیونکہ نادانی کی بیماری کا علاج سوال ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے زمانہ میں فقہ و فتاویٰ سے متعلق جملہ امور آپ کی ذات سے وابستہ تھے۔ قانون سازی ”فتاویٰ“ اور فیصلے وغیرہ کے فرائض آپ بنفس نفیس خود انجام دیتے تھے فقہ کی نہ باقاعدہ ترتیب و تدوین ہوئی تھی اور ضروریات زندگی کے محدود ہونے کی بناء پر نہ ہی اس کی ضرورت تھی۔ فتاویٰ کی تاریخ کے لحاظ سے یہ فتاویٰ کا اساسی اور پہلا دور ہے جو کہ ۱۷ رمضان ۱۱ نبوی سے ۱۱ھ تک بائیس سال دو ماہ بائیس دن پر محیط ہے۔ درحقیقت یہی دور فقہ و فتاویٰ کی اصل بنیاد ہے اور تمام فقہاء نے متفقہ طور پر اسی کو سند قرار دیا ہے۔ (۷۱)

چنانچہ فتویٰ پوچھنے اور فتویٰ دینے کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے ہی سے شروع ہوتا ہے، چودہ صدیوں پر محیط طویل عرصے میں علماء نے اس شعبے کی دینی اہمیت کے پیش نظر اس کا خصوصی اہتمام کیا۔ آج عام طور پر افتاء کا جو طریقہ ہمارے ہاں رائج ہے وہ صرف جائز و ناجائز اور مباح و مندوب، فرض و واجب، حلال و حرام وغیرہ کی صراحت کر دینے کا نام ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوب افتاء اس سے مختلف تھا آپ کا کہنا اگرچہ بذات خود حجت اور فتویٰ کا اصل معیار ہے، تاہم آپ صرف کہنے اور بتا دینے پر اکتفاء نہ فرماتے تھے بلکہ پیش آمدہ مشکلات کے حل کی وضاحت بھی فرما دیتے تھے، اس سے اُمت کے بارے میں نہ صرف آپ کی شفقت و محبت کا اظہار ہوتا ہے بلکہ آپ کے اسلوب افتاء پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

بہترین جواب وہ ہے جو مدلل اور غیر مبہم ہو۔ محمد شفیق العانی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتاویٰ کی جامعیت اور ہمہ گیری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وكانت فتاوى الرسول فى حياته جوامع الاحكام و ينبوعاً فياضاً يرجع اليها فى استنباط الفروع كما كانت احاديثه و تقريراته مناراً يستضيء بهديه الصحابة من بعده، (۷۲)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فتاویٰ اپنی زندگی میں صادر فرمائے وہ جامع ترین احکام پر مشتمل تھے اور فروعی مسائل کے استنباط کے سلسلے میں سرچشمہ کی حیثیت رکھتے تھے جیسا کہ آپ کی احادیث و تقریرات ایسے منارۂ نور ثابت ہوئیں تھیں کہ صحابہ کرامؓ آپ کے بعد آپ کے طریقہ سے روشنی حاصل کرتے رہے۔

کوئی شبہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتاویٰ کی حیثیت اسی قدر بلند ہے جس قدر آپ کی ذات اقدس بلند تھی اور بلند سے بلند تر ہونی بھی چاہئے کیونکہ آپ خاتم النبیین تھے اور عصمت کی دولت سے نوازے ہوئے تھے۔ یہ ایک اصولی بات ہے کہ جواب کی جامعیت و کاملیت اور اس کے الفاظ کا چچا تلا ہونا جواب دینے والے کی علمی قابلیت اور اس کے منصب کے مطابق ہی ہوا کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی الہی کی روشنی میں فتویٰ دیا کرتے تھے کتاب اللہ کے بعد دوسرا درجہ پیروی کے لحاظ سے احادیث کا ہے اور آپ کے فتاویٰ بھی آپ کی احادیث ہی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ کے جوابات کی حیثیت ”جوامع الکلم“ اور ”فصل الخطاب“ کی ہے جس سے سرتابی کا خیال بھی ایک مسلمان کے لئے محال ہے۔

قرآن کریم کی تصریحات کے مطابق جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فیصلہ کو تسلیم نہ کرے وہ مسلمان کہلانے کا روا دار نہیں۔ قرآن کریم میں ہے: ”آپ کے پروردگار کی قسم یہ لوگ ایمان دار نہ ہونگے جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ آپ کر دیں اُس سے ان کے دل تنگ نہ ہوں اور اس کو پورا پورا تسلیم کر لیں“۔ (۷۳) اسلامی قوانین کی دوسری بنیاد رسول اللہ کی اطاعت ہے۔ (۷۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتاویٰ کے بارے میں ابن القیم لکھتے ہیں:

وَأَوَّلُ مَنْ قَامَ بِهَذَا الْمَنْصَبِ الشَّرِيفِ سَيِّدُ الْمُرْسَلِينَ ، وَأَمَامُ الْمُتَّقِينَ وَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ ، وَعَبْدُ اللَّهِ وَ رَسُولُهُ ، وَ أَمِينُهُ عَلِيُّ وَ حِيَّهِ ، وَ سَفِيرُهُ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ عِبَادِهِ ، فَكَانَ يَفْتَى عَنِ اللَّهِ بِوَحْيِهِ الْمُبِينِ ، وَ كَانَ كَمَا قَالَ لَهُ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ : ﴿ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَ مَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴾ [ص : ۸۶] ، فَكَانَتْ فَتَاوِيهِ ﷺ جَوَامِعَ الْأَحْكَامِ ، وَ مُشْتَمِلَةً عَلَيَّ فَضْلِ الْخَطَابِ ، وَ هِيَ فِي وَجُوبِ اتِّبَاعِهَا وَ تَحْكِيمِهَا وَ التَّحَاكُمِ إِلَيْهَا ثَانِيَةُ الْكِتَابِ ﷺ وَ لَيْسَ لِأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ الْعُدُولُ عَنْهَا مَا وَجَدَ إِلَيْهَا سَبِيلًا ، وَ قَدْ أَمَرَ اللَّهُ عِبَادَهُ

بالردإليها حيث يقول : ﴿ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝۵۹ ﴾ (النساء: ۵۹)۔
 یعنی: سب سے پہلے اس عظیم منصب پر سید المرسلین امام المتقین خاتم النبیین، عبد اللہ اور رسول اللہ، امینِ وحی، خدا اور بندوں کے درمیان سفیر حضرت محمد ﷺ فائز ہوئے اور آپ اللہ تعالیٰ کی وحی کی رہنمائی میں فتوے دیتے تھے۔ آپ ایسے ہی تھے جیسے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کی تعریف میں فرمایا ”آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے (اس قرآن) پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا ہوں اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں“ آپ کے فتوے جامع احکام اور فیصلہ کن ارشادات پر محیط ہوا کرتے تھے۔ یقیناً پیروی کے وجوب اور جھگڑوں کے تصفیہ کے لحاظ سے کتاب اللہ کے بعد دوسرا درجہ آپ کے فتاویٰ کا ہے اور مؤمنین کے لئے کسی بھی صورت میں ان سے انحراف ممکن نہیں اور اسی بات کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ ”اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحبِ حکومت ہیں ان کی بھی، پھر اگر کسی بات میں تم میں باہم اختلاف ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہی بہتر ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔“

عہد رسالت میں استفتاء اور افتاء کے مختلف طریقے رہے اس مبارک عہد میں اکثر و بیشتر فتاویٰ کا سلسلہ زبانی طور پر رائج تھا۔ صحابہ کرام کو جب کبھی کوئی مسئلہ پیش آتا تھا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ کا حل دریافت کر لیا کرتے تھے اس کا جواب کبھی تو وحی متلو کے ذریعے مل جاتا اور کبھی وحی غیر متلو کی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے فتویٰ دیتے تھے۔ صحابہ کرام اور دوسرے لوگوں کے سوالات کا ذکر قرآن کریم اور حدیث میں ”یَسْتَفْتُونَكَ“، ”سَأَلَكَ“، ”سَأَلَ رَجُلٌ“ وغیرہ صیغوں سے ملتا ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام سے بہتر میں نے کوئی قوم نہیں دیکھی وہ بہت کم سوالات کرتے تھے صرف وہی سوالات کرتے جن پر انہوں نے عمل کرنا ہوتا۔ صحابہ کرام نے صرف تیرہ مسائل سے متعلق سوالات پوچھے اور ان سب کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ (۷۶)

رسول اللہ ﷺ سے پوچھے گئے سوالات و جوابات کا ذخیرہ مختلف کتب میں محفوظ ہے، چنانچہ علامہ

ابن القیم نے اپنی معروف کتاب ”اَعْلَامُ الْمُوقَعِينَ“ میں فتاویٰ امام المتقین رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کے عنوان کے تحت مختلف موضوعات کے بارے میں دیے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ سو (۱۲۰۰) فتاویٰ کو جمع کیا ہے۔ (۷۷)

☆ مولانا سید اصغر حسین دیوبندی (م، ۱۳۳۶ھ/۱۹۲۵ء) نے بھی ”فتاویٰ محمدی مع شرح دیوبندی“ کے نام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سو بیس اور صحابہ و تابعین کے چالیس فتاویٰ کا اردو میں ترجمہ کر کے شائع کرایا۔ (۷۸)

صحابہ کرام کے لئے اگر بوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال پوچھنا ممکن نہ ہوتا تو ایسی صورت میں یہ حضرات آپس میں ایک دوسرے سے مسائل دریافت کرتے تھے ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے علم و فقہ میں بصیرت تامہ عطا فرمائی تھی۔ اور کئی ایک مسائل ایسے بھی ہوتے تھے جن کا علم کبار صحابہ کو بھی نہ ہوتا تھا، مثلاً مسائل یتیم کا تفصیلی علم حضرت عمار وغیرہ کو تھا جبکہ حضرت عمر کو نہ تھا تا وقتیکہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ کر لیا۔ (۷۹) اسی طرح موزوں پر مسح کرنے کا حکم حضرت علیؓ اور حضرت حذیفہؓ کو معلوم تھا جبکہ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کو معلوم نہ تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے جب مسائل یتیم کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے سائل کو حضرت علیؓ سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔ (۸۰)

افتاء ایک اہم ذمہ داری:

افتاء ایک اہم ذمہ داری ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلاف اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے احتراز کرتے تھے اور جن کو وہ اپنے علم و عمل میں بلند و برتر سمجھتے، ان پر ذمہ داری ڈالنا چاہتے تھے پھر اس باب میں ان کا یہ حال تھا کہ اگر مطلوبہ مسئلہ کی صحیح صورت معلوم ہوتی تو بلا تکلف بتا دیتے اور اگر معلوم نہ ہوتی تو برملا اظہار کر دیتے تھے کہ ہمیں یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے کسی اور سے پوچھ لیا جائے۔

فتویٰ کی اہمیت و ذمہ داری کو واضح کرتے ہوئے علامہ ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی (م، ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

إِعْلَمَنَّ أَلَّا فِتْنَاءَ عَظِيمِ الْخَطَرِ، كَثِيرِ الْمَوْقِعِ، كَثِيرِ الْفَضْلِ لِأَنَّ الْمُفْتِيَ وَارِثُ الْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللَّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ، وَ قَائِمٌ بِفَرْضِ الْكِفَايَةِ، لَكِنَّهُ مُعَرَّضٌ لِلْخَطَأِ، وَلِهَذَا قَالُوا: أَلْمُفْتَى مُوقَّعٌ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى، وَرَوَيْنَا عَنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ، أَلْعَالِمُ بَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى وَخَلْفِهِ

وَلْيَنْظُرْ كَيْفَ يَدْخُلُ بَيْنَهُمْ. (۸۱)

یعنی جاننا چاہیے افتاء بڑی ذمہ داری کا کام ہے اور بہت زیادہ وقوع پذیر ہوتا ہے۔ یہ بڑی شان والا بھی ہے کیونکہ مفتی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وارث ہے، اور فرض کفایہ کو ادا کرنے والا ہے، لیکن اسے غلطی لگنے کا خطرہ رہتا ہے، اسی وجہ سے لوگوں نے کہا ہے کہ مفتی اللہ کی طرف سے فرمان جاری کرنے والا ہے۔ ہم نے منکدر سے روایت نقل کی ہے کہ: ”عالم اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہے، اُسے چاہیے کہ خوب غور و فکر کرے کہ ان کے درمیان کس طرح کا واسطہ بنے۔“

افتاء میں سلف صالحین کی کمال احتیاط:

مصنوب افتاء علم و عمل کی ایک خاص ذمہ داری چاہتا ہے ہر کس و ناکس کو فتویٰ دینے کا اختیار نہیں اور یہی وجہ تھی کہ سلف صالحین افتاء کے معاملے میں کمال احتیاط سے کام لیتے تھے اور حتی الوسع اس سے احتراز کرتے تھے، چنانچہ عطاء بن السائب نے عبد الرحمن ابن ابی لیلیٰ سے نقل کیا ہے:

قال: سمعتُ عبدَ الرَّحْمَنِ بنِ ابي لَيْلَى يَقُولُ: اذْ رَكْتُ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ عَشْرِينَ وَمِائَةً مِنَ الْاَنْصَارِ، وَمَا مِنْهُمْ مِنْ اَحَدٍ يُحَدِّثُ بِحَدِيثٍ اِلَّا وَدَّ اَنْ اَخَاهُ كَفَاهُ الْحَدِيثَ، وَلَا يُسْأَلُ عَنْ فُتْيَا اِلَّا وَدَّ اَنْ اَخَاهُ الْفُتْيَا، وَفِي رِوَايَةٍ: اذْ رَكْتُ مِائَةً وَعَشْرِينَ مِنَ الْاَنْصَارِ مِنْ اَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يُسْأَلُ اِحْدَهُمْ عَنِ الْمَسْأَلَةِ فَيُرَدُّ هَا هَذَا اِلَى هَذَا وَهَذَا اِلَى هَذَا حَتَّى تَرْجِعَ اِلَى الْاَوَّلِ. (۸۲)

حضرت عطاء بن سائب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد الرحمن ابن ابی لیلیٰ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے اس مسجد میں ایک سو بیس (۱۲۰) انصاری صحابہ کرام کو پایا اور میں نے انہیں دیکھا کہ ان میں سے اگر کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ دوسرے کے پاس بھیج دیتا اور وہ دوسرا تیسرے کے پاس حتیٰ کہ وہ مسئلہ سب کے پاس سے ہوتا ہوا پہلے صحابی کے پاس آجاتا۔ اور اگر کوئی حدیث بیان کرنی ہوتی یا کوئی فتویٰ دینا ہوتا تو ہر ایک یہی چاہتا کہ کوئی دوسرا یہ حدیث بیان کر دے یا یہ فتویٰ دے دے۔

حضرت عمرؓ اور فتویٰ میں احتیاط:

حضرت عمرؓ فتویٰ دینے کے معاملہ بہت ہی محتاط تھے چنانچہ امام شعبی، ابوالحسن الازدی اور ابو حصین فرماتے ہیں: قالوا اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيُفْتَى فِي الْمَسْئَلَةِ وَلَوْ رَدَّتْ عَلَيَّ عَمْرُ بنِ الْخَطَّابِ لَجَمَعَ لَهَا اَهْلًا

بدر۔ (۸۳) کہ آج کل تم لوگوں کا یہ حال ہو گیا ہے کہ جو پوچھا جائے بتا دیتے ہو جب کہ اس طرح کا کوئی مسئلہ اگر حضرت عمرؓ کے سامنے آتا تھا تو آپ تمام بدری صحابہ کو جمع کرتے تھے اور ان سے دریافت فرماتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور فتویٰ میں احتیاط:

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو تفقہ فی الدین میں کمال حاصل تھا، آپ کی ساری عمر فقہ و افتاء میں گزری۔ آپ کا شمار مدینہ منورہ کے مشہور اصحابِ فتاویٰ صحابہ کرام میں ہوتا ہے (۸۴) فقہ مالکی کا زیادہ تر دار و مدار حضرت عبداللہ ابن عمر کے فتاویٰ پر ہے۔ (۸۵) یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ فرماتے تھے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر ائمہ دین میں سے تھے، (۸۶) ان کے فتاویٰ کو اگر جمع کیا جائے ایک ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے۔ (۸۷)

مگر اس تفقہ کے باوجود ”فتاویٰ“ میں بہت محتاط تھے، جب تک کسی مسئلہ کے متعلق پورا یقین نہ ہوتا فتویٰ نہ دیتے تھے۔ حافظ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں:

”وَكَانَ رَحِمَهُ اللَّهُ مِنْ أَهْلِ الْوَرَعِ وَالْعِلْمِ وَكَانَ كَثِيرًا إِلَّا تَبَاعَ لِأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ شَدِيدَ التَّحَرُّيِّ وَالْإِحْتِيَاظِ وَالتَّوَقُّفِ فِي فَتَوَاهُ وَكُلَّ مَا يَأْخُذُ بِهِ نَفْسُهُ. (۸۸)

یعنی وہ بہت زیادہ متقی اور صاحب علم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر سختی سے عمل کرنے والے تھے اور وہ اپنے فتاویٰ اور اعمال میں بہت سخت محتاط تھے خوب سوچ سمجھ کر کہنے اور عمل کرنے والے تھے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں:

أَفْتَى النَّاسَ سِتِّينَ سَنَةً لِعَنَى حَضْرَتِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ سَاثَةَ سَالٍ تَكَ مَسْنَدَ إِفْتَاءٍ بِرِ فَازَرِ رِبِے اور لوگوں کو فتویٰ دیتے رہے (۸۹) اور اگر کوئی مسئلہ معلوم نہ ہوتا تو اپنی کسرِ شان کا لحاظ کئے بغیر نہایت صفائی کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کر دیتے۔ ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا، تو انہوں نے کہا مجھے اس کا علم نہیں جب اُس شخص نے پشت پھیری تو کہنے لگا! ابن عمرؓ بھی عجیب آدمی ہیں ان سے وہ بات پوچھی گئی جس کا انہیں علم نہیں، تو انہوں نے فرمایا ہاں مجھے اس کا علم نہیں۔ (۹۰)

عَنْ عُثْبَةَ بْنِ مَسْلَمٍ : أَنَّ ابْنَ عُمَرَ سُئِلَ عَنْ شَيْءٍ فَقَالَ لَا أَذْرِي ثُمَّ قَالَ : اتْرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا ظُهُورَنَا جُسُورًا فِي جَهَنَّمَ ؟ تَقُولُونَ : أَفْتَانَا بِهَذَا ابْنُ عُمَرَ . (۹۱) عقبہ بن مسلم کا بیان ہے کہ ایک شخص

نے ابن عمرؓ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا تو آپؓ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں، پھر فرمایا کیا تم ہماری پیٹھوں کو جہنم کا پل بنانا چاہتے ہو؟ تاکہ تم کہہ سکو کہ ہمیں ابن عمرؓ نے یہ فتویٰ دیا۔

جب کبھی فتویٰ دینے کے بعد غلطی کا علم ہو جاتا تو بلا پس و پیش پہلے فتویٰ سے رجوع کر لیتے اور مستفتی کو صحیح فتویٰ سے آگاہ کر دیتے۔ ایک مرتبہ عبدالرحمن بن ابی ہریرہؓ نے ابی مُردار کے متعلق استفتاء کیا کہ اس کا کھانا جائز ہے کہ نہیں تو ابن عمرؓ نے عدم جواز کا فتویٰ دیا، بعد میں قرآن کریم منگوا کر دیکھا تو یہ حکم ملا: أَحِلُّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِلنَّاسِ (۹۲) تمہارے واسطے دریا کے جانوروں کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے تمہارے اور مسافروں کے فائدے کے لئے، حضرت نافع کہتے ہیں، اس کے بعد عبد اللہ بن عمرؓ نے مجھے عبدالرحمن ابن ابی ہریرہؓ کے پاس یہ کہلوا بھیجا کہ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ (۹۳)

امام اعظم ابو حنیفہؒ اور افتاء:

امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں: لَوْ لَا الْفَرْقُ مِنَ اللَّهِ تَعَالَىٰ أَنْ يَضِيَعَ الْعِلْمُ مَا أَفْتَيْتُ، (۹۴) اگر مجھے اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہوتا کہ علم ضائع ہو جائے گا تو میں کبھی فتویٰ نہ دیتا۔

امام مالکؒ اور افتاء:

امام مالک رحمہ اللہ بھی انتہائی احتیاط کے ساتھ فتویٰ دیتے تھے اور حتی الوسع اس سے بچنے کی کوشش کرتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ آپؒ سے اڑتالیس (۳۸) مسائل پوچھے گئے تو آپ نے ان میں سے صرف بتیس (۳۲) سوالات کے جوابات دیئے اور بقیہ کے بارے میں فرمایا: لَا أَدْرِي۔ (۹۵) ایک اور موقع پر آپؒ سے پچاس (۵۰) مسائل پوچھے گئے تو آپ نے ایک سوال کا بھی جواب نہ دیا اور فرمایا لَا أَدْرِي (۹۶) یعنی مجھے معلوم نہیں۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں: مَنْ أَجَابَ فِي مَسْئَلَةٍ فَيَنْبَغِي قَبْلَ الْجَوَابِ أَنْ يَعْرِضَ نَفْسَهُ عَلَى الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَكَيْفَ يَكُونُ خَلَاصُهُ فِي الْآخِرَةِ؟ ثُمَّ يُجِيبُ فِيهَا۔ (۹۷) یعنی جو شخص کسی مسئلہ کا جواب دینا چاہے اُسے چاہیے کہ جواب دینے سے قبل اپنے آپ کو جنت اور جہنم پر پیش کر لے (یعنی جنت و جہنم کا تصور قائم کر لے) اور سوچے کہ کل قیامت کے دن کیسے چھٹکارہ ملے گا؟ پھر جواب دے۔

ابن وہبؒ امام مالکؒ کا قول نقل کرتے ہیں: الْعَجَلَةُ فِي الْفَتَوَى نَوْعٌ مِنَ الْجَهْلِ وَالْخَرَقِ (۹۸) یعنی فتویٰ دینے میں جلدی کرنا ایک قسم کی جہالت اور حماقت ہے اور کبھی آپ یوں فرماتے تھے:

التَّائِي مِنَ اللَّهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ^(۹۹) یعنی برد باری اور تحمّل اللہ کی عطاء ہے (یعنی کسی بھی معاملہ میں برد باری اور تحمّل سے کام لینا) اور عجلت پسندی شیطانی فعل ہے۔ امام مالکؒ کا یہ قول دراصل ایک حدیث کا حصہ ہے۔^(۱۰۰)

امام مالکؒ فتویٰ دینے میں کس قدر محتاط تھے اس کا اندازہ ان کے اس قول سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے: ما اجبْتُ في الفتوى حتى سألت من هو اعلم مني، هل تراني موضعاً لذلك؟ سألت ربيعة، و سألت يحيى بن سعيد فامراني بذلك. فقليل له: يا عبد الله فلو نهوك؟ قال انبهي^(۱۰۱)۔ میں نے اس وقت تک فتویٰ دینا شروع نہیں کیا جب تک اپنے سے بڑے اہل علم سے دریافت نہیں کر لیا کہ وہ مجھے اس کا اہل سمجھتے ہیں یا نہیں؟ میں نے یہ سوال ربیعہ سے بھی کیا اور یحییٰ بن سعید سے بھی، چنانچہ ان دونوں نے مجھے اس کی اجازت دی۔ امام مالکؒ سے کہا گیا: اے اللہ کے بندے! بالفرض آپ کو یہ لوگ فتویٰ دینے سے روک دیتے تو؟ آپؒ نے فرمایا میں رُک جاتا۔

امام مالکؒ ہی سے ایک مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؒ نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں۔ بعض لوگوں نے کہا یہ تو بہت ہی آسان اور معمولی مسئلہ ہے۔ آپؒ یہ بات سن کر غضبناک ہو گئے اور فرمایا کوئی چیز معمولی نہیں۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا؟ انا سنلقي عليك قولاً ثقیلاً^(۱۰۲) علم سب کا سب ثقیل ہے اس کے بعد آپؒ نے فرمایا میں نے اس وقت تک فتویٰ نہیں دیا جب تک ستر علماء نے میرے بارے میں شہادت نہیں دے دی کہ میں فتویٰ دینے کا اہل ہوں اور کسی آدمی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو کسی شے کا اہل سمجھے یہاں تک کہ اپنے سے بڑے اہل علم سے دریافت کر لے۔^(۱۰۳)

امام شافعیؒ اور افتاء

ایک بار امام شافعیؒ سے کوئی سوال پوچھا گیا تو انہوں نے جواب نہ دیا جب ان سے جواب نہ دینے کی وجہ پوچھی گئی تو آپؒ نے فرمایا میں اس وقت تک جواب نہیں دیتا جب تک مجھے معلوم نہ ہو جائے کہ خاموش رہنے میں بہتری ہے یا جواب دینے میں۔^(۱۰۴)

امام احمد بن حنبلؒ اور افتاء

فتویٰ دینے کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی ان سے کوئی سوال پوچھا جاتا تو اکثر و بیشتر فرما دیتے تھے کہ مجھے معلوم نہیں۔ حضرت اثرمؒ فرماتے ہیں میں نے اکثر امام احمد بن حنبلؒ سے یہی سنا کہ جب بھی آپ سے سوال پوچھا جاتا تھا تو جواباً فرماتے تھے کہ

مجھے معلوم نہیں اور وہ اس لئے ایسا کرتے تھے کہ اس مسئلہ کے بارے میں دوسرے اہل علم کے اقوال معلوم کر سکیں۔ آپؐ ہی کا قول ہے:

مَنْ عَرَضَ نَفْسَهُ لِلْفُتْيَا فَقَدْ عَرَضَهَا لِأَمْرِ عَظِيمٍ إِلَّا أَنَّهُ قَدْ تَلَجَّنَى الضَّرُورَةُ وَقِيلَ لَهُ أَيُّهُمَا أَفْضَلُ؟ الْكَلَامُ أَوْ الْأَمْسَاكُ؟ فَقَالَ: الْأَمْسَاكُ أَحَبُّ إِلَيَّ إِلَّا لِضَرُورَةٍ (۱۰۵)

یعنی اپنے آپ کو مفتی کے منصب کے لئے پیش کرنا ایک بہت بڑا بوجھ ہے، ہاں جب کوئی ضرورت مجبور کر دے تو اور بات ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ جب کوئی سوال کرے تو اس وقت جواب دینا بہتر ہے یا خاموش رہنا؟ تو انہوں نے کہا میرے نزدیک خاموشی بہتر ہے الا یہ کہ کوئی ضرورت پیش آجائے۔

سفیان ثوریؒ اور افتاء:

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ میں نے کبار فقہاء کو دیکھا کہ وہ مسائل کا جواب دینے اور فتویٰ دینے کو ناپسند کرتے تھے الا یہ کہ کوئی ایسی صورت پیش آجاتی کہ جواب دیے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا تو اس وقت جواب دیتے تھے۔ وہ حضرات مسائل کو ایک دوسرے کی طرف بھیج دیتے تھے تاکہ کوئی دوسرا جواب دے۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: أَعْلَمُ النَّاسَ بِالْفُتْيَا أَسْكُتُهُمْ عَنْهَا وَ أَجْهَلُهُمْ بِهَا أَنْطَقُهُمْ فِيهَا۔ (۱۰۶)

امام شععیؒ اور افتاء:

ایک دفعہ امام شععیؒ سے سوال پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں ”فقيل له الا تستحيى من قولك: لا ادرى وانت فقيه اهل العراق؟ فقال: لكن الملائكة لم تستح حين قالوا: ﴿لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾۔ (۱۰۷) تو اُن سے یہ کہا گیا کہ آپ کو یہ کہتے ہوئے شرم محسوس نہیں ہوتی؟ حالانکہ آپ تو اہل عراق کے ایک بڑے فقیہ ہیں، تو امام شععیؒ نے جواب دیا کہ فرشتوں کو تو یہ کہتے ہوئے شرم محسوس نہیں ہوئی تھی جب انہوں نے یہ کہا تھا ہم کو کوئی علم نہیں مگر وہی جو کچھ جو آپ نے ہمیں سکھایا۔

افتاء میں احتیاط کے بارے میں ابوالذیالؒ کی اہم نصیحت:

افتاء میں احتیاط کے بارے میں ابوالذیالؒ کی نصیحت بڑی اہمیت کی حامل اور سبق آموز ہے وہ فرماتے ہے: تَعَلَّمَ لَا أَدْرِي، فَانْكَ قَلْتَ لَا أَدْرِي عِلْمُكَ حَتَّى تَدْرِي وَإِنْ قَلْتَ أَدْرِي سَأَلُوكَ حَتَّى لَا تَدْرِي۔ (۱۰۸) یعنی لا ادری (مجھے معلوم نہیں) کہنا سیکھ لو، کیونکہ اگر تم کہو گے کہ مجھے معلوم

نہیں تو لوگ تمہیں سکھائیں گے یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو جائے اور تم نے کہا میں جانتا ہوں تو لوگ تم سے سوال پوچھیں گے یہاں تک کہ تیرا علم ختم ہو جائے۔

مفتی کے لئے ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں، جب تک مفتی کو شرح صدر نہ ہو جواب نہ دے اور اسے لادری کہنے میں کبھی شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ اگر کسی سوال کا جواب معلوم نہ ہو تو اس کا برملا اظہار کر دینا چاہیے کہ مجھے معلوم نہیں۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے:

قال: إن الذي يُفتى النَّاسَ في كُلِّ ما يُسْتَفْتَى للمجنون، وَ في رواية، في كُلِّ ما يُسْتَفْتُونَهُ فهو مَجْنُونٌ* (۱۰۹)

فرماتے ہیں بلاشبہ وہ شخص مجنون ہے جو لوگوں کو ان کے ہر ایک سوال کا جواب دیتا ہے۔

مفتی کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ ہمیشہ رہنا چاہیے۔ آپ ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ کون سی جگہیں بری ہیں؟ آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں جب حضرت جبریل علیہ السلام آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کون سی جگہیں بری ہیں؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا مجھے معلوم نہیں میں اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے پوچھوں گا۔ حضرت جبریل علیہ السلام چلے گئے اور اُس وقت واپس تشریف نہیں لائے جب تک اللہ نے چاہا، پھر جب دوبارہ آئے تو فرمایا اے محمد آپ نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ کون سی جگہیں بری ہیں؟ اور میں نے کہا تھا مجھے معلوم نہیں میں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے بارے میں دریافت کیا کہ کون سی جگہیں بری ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”بازار“۔ (۱۱۰)

فتویٰ کون اور کس وقت دے؟

علماء نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ مفتی کے لئے کس وقت فتویٰ دینا جائز ہے اور کس وقت ناجائز اور کون شخص فتویٰ دینے کا اہل ہے؟ چنانچہ اس بارے میں درج ذیل اقوال ملتے ہیں:-

- ۱- جب کسی شہر میں ایک ہی مفتی ہو اس وقت اُس مفتی کے لئے فتویٰ دینا فرض ہے۔
- ۲- جب کسی شہر میں ایک سے زائد مفتی ہوں تو اس وقت اُس مفتی کے لئے فتویٰ دینا فرض کفایہ ہے چاہے ایک مفتی سے سوال پوچھا جائے یا دونوں سے۔
- ۳- جاہل کے لئے ہر حال میں فتویٰ دینا حرام ہے۔ (۱۱۱)

قرآن کریم میں بھی بغیر علم کے فتویٰ دینے والوں کے بارے میں سخت وعید کا ذکر آیا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَ هَذَا حَرَامٌ لِنَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ، إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ۔ اور یونہی جو جھوٹ تمہاری زبانوں پر آجائے مت کہہ دیا کرو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں حرام۔ یوں تم اللہ پر جھوٹی تہمت لگا دو گے بیشک جو لوگ اللہ پر جھوٹی تہمتیں لگاتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے۔“ (۱۱۲)

اصول افتاء:

اصول افتاء جنہیں ادلہ شرعیہ اور فقہ اسلامی کے ماخذ بھی کہا جاتا ہے، یہ وہی اصول ہیں جن پر ائمہ مجتہدین نے اپنے اپنے فقہی مسالک کی بنیاد رکھی ہے مثلاً احناف کے نزدیک ان کی تعداد پانچ، مالکیہ کے ہاں بیس، شوافع کے نزدیک چار جبکہ حنابلہ کے ہاں آٹھ ہے اور وہ اصول یہ ہیں:

قرآن کریم، سنت، اجماع، قیاس، استحسان، آثار صحابہ، شرائع من قبلنا، استصلاح یا مصالح مرسلہ، تعامل، عرف و رواج، سد ذرائع، احتیاط، ضرورت، استصحاب اور ملکی قوانین۔ (۱۱۳)

شرايط افتاء

اجتہاد کی صلاحیت مفتی کے لئے بنیادی شرط ہے۔ چنانچہ علمائے اصول فقہ نے فقہ کی جو تعریف کی ہے اس کی رو سے فقیہ اور مفتی دونوں کا مجتہد ہونا ضروری ہے۔ (۱۱۴)

فتاویٰ عالمگیری کے مقدمہ میں سید امیر علی ملیح آبادی لکھتے ہیں ”مجتہد ہی مفتی ہوتا ہے یعنی فتویٰ دینا حقیقت میں فقط مجتہد ہی کا کام ہے اور جو مجتہد نہیں بلکہ مجتہدوں کے اقوال اس کو یاد ہیں وہ حقیقی مفتی نہیں۔“ (۱۱۵)

فتاویٰ عالمگیری ہی میں دوسری جگہ ہے: واجمع الفقهاء على أن المفتي يجب أن يكون من أهل الاجتهاد، وإن لم يكن من أهل الاجتهاد لا يحلُّ له أن يفتي إلا بطريق الحكاية فيحكي ما يحفظ من أقوال الفقهاء۔ (۱۱۶) یعنی فقہاء کا اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ مفتی کے لئے ضروری ہے کہ اس میں اجتہاد کی صلاحیت ہو اور جو مفتی اجتہاد کا اہل نہیں ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ فتویٰ دے! لہذا یہ کہ بطور نقل حکایت فقہاء کے اقوال کو بیان کر دے جو اس کو یاد ہوں۔

فتح القدیر اور رد المحتار میں بھی اسی طرح کی شرائط کا ذکر کیا گیا ہے۔ ”علماء اصول کے ہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ مفتی وہی ہو سکتا ہے جو مجتہد ہو اور رہا وہ شخص جو غیر مجتہد ہے اس کو صرف مجتہدین کے اقوال یاد ہیں وہ درحقیقت مفتی نہیں۔ ایسے شخص کیلئے ضروری ہے کہ جب اس سے مسئلہ

دریافت کیا جائے تو بطور حکایت کسی مجتہد کے قول کو نقل کر دے۔“ (۱۱۷)

اجتہاد کے علاوہ فقہاء نے افتاء کے لئے اور بھی کئی شرائط کا ذکر کیا ہے مثلاً منصب افتاء کے لئے ضروری ہے کہ مفتی وجوہ تاویل سے آگاہ ہو، قرآن و سنت اور ادلہ شرعیہ پر اس کی وسیع نظر ہو، نسخ و منسوخ، محکم تشابہ، شان نزول وغیرہ سے بخوبی واقف ہو، اس کو حدیث کی اسناد کا علم ہو، صحابہ اور علماء سلف کے فتاویٰ و اقوال سے آگاہی رکھتا ہو، اجتہاد اور قیاس کی باریکیوں کو سمجھتا ہو، فقہ میں بصیرت تامہ حاصل ہو۔ مفتی نے معتبر اساتذہ سے علم فقہ حاصل کیا ہو اور ماہر اساتذہ کا تربیت یافتہ ہو۔

پھر قدیم اور جدید علمی ذخیرہ پر اطلاع و واقفیت کے ساتھ اہل زمانہ کی طبائع سے بھی واقفیت ہو ”عرف“ سے بھی باخبر ہو جس کو فقہاء نے بڑی اہمیت دی ہے اور اس کا لحاظ کیا ہے، ”تیسیر“ کے حدود کی نگہداشت اور عموم بلوئی کی صحیح تعریف، اور فقہی شرائط سے آگاہی، اپنے زمانے کے معاملات و عقود، تعلقات کی نوعیت، ایجادات نو کی شرعی حیثیت، تغیراتِ زمانہ اور ان کے شرعی احکام سے واقفیت اور ان کے لحاظ کی حدود سے آگاہی، اور سب سے بڑھ کر مقاصدِ شریعت اور حکمت تشریح کا علم بھی ضروری ہے، جو استنباط مسائل کی روح اور قیاس و استحسان اور مصالحِ مرسلہ کی نگہبان و پاسبان ہے۔

☆ مفتی کو اس بات کا بھی علم ہونا چاہیے کہ مختلف مراکز اور شہروں میں علماء کی اس مسئلہ کے بارے کیا رائے ہے وغیرہ۔ اس کے علاوہ بھی افتاء کے آداب و شرائط ہیں اس سلسلے میں سب سے اہم، بنیادی اور ضخیم کتاب حافظ شمس الدین ابن القیم الجوزی کی اعلام الموقعین عن رب العالمین ہے جس میں تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں عہد رسالت، عہد خلافتِ راشدہ، اور قرون خیر القرون کے فضاة اور اہل افتاء کا ذکر ہے۔ (۱۱۸)

مفتی کے امتیازی اوصاف و شرائط

دینی مناصب و فرائض اگرچہ سب اہم، نازک اور عظیم ذمہ داری کے کام ہیں اور ان کے لئے بڑی صلاحیتوں، علم و باخبری اور احساس ذمہ داری کی ضرورت ہے۔ لیکن ان فرائض اور دینی مناصب میں سے سب زیادہ وسیع، نازک اور پیچیدہ کام جس کے لئے صرف علم و ذہانت، مطالعہ کی وسعت، صلاح و تقویٰ، امانت و دیانت اور ذکاوت و ذہانت اس موضوع سے گہری مناسبت، رسوخ فی العلم و رسوخ فی الدین، کتاب و سنت، فقہ و اصول فقہ میں خصوصی مہارت ہی کی ضرورت نہیں بلکہ طبع سلیم،

فہم مستقیم، فطرت صحیحہ جس کو حقائق تک بلاکد و کاوش رسائی ہو جاتی ہو اور جس میں اعتدال و توازن کا مادہ ودیعت کیا گیا ہو، کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ علم جس کے لئے اتنی صفات و شرائط درکار ہیں اور جس کا کام اتنا نازک اور پیچیدہ ہے ”علم افتاء“ ہے۔

فقہ و حدیث کی متعدد کتب میں مفتی کی امتیازی اوصاف و شرائط کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ ملتا ہے^(۱۱۹) چیدہ چیدہ چند اوصاف پیش خدمت ہیں۔

۱- مفتی کی امتیازی اوصاف و شرائط کے بارے میں علامہ نووی، ابن الصلاح اور احمد بن حنبل کی ایک جیسی تحریریں ملتی ہیں:

القولُ فی شروط المفتی و صفاتہ: اما شروطه و صفاتہ فهو ان يكون مكلفاً مسلماً ثقةً، ماموناً منزهاً من اسباب الفسق و خوارم المروءة، و مسقطات المروءة، لان من لم يكن كذلك، فقولہ غير صالح للاعتماد، وان كان من اهل الاجتهاد و يكون فقيه النفس، سليم الذهن، رصين الفكر، صحيح التصرف والاستنباط، متيقظاً،^(۱۲۰)

یعنی مفتی کی شرائط و اوصاف میں سے چند ایک یہ ہیں کہ مکلف مسلمان ہو، قابل بھروسہ ہو، مامون ہو، اسباب فسق سے پاک ہو، اور مروءت ختم کردینے والی چیزوں سے دور ہو، اس لیے کہ جو ان صفات و شرائط کا حامل نہیں ہے اس کا قول قابل اعتماد نہیں اگرچہ اس کے اندر اجتہاد کی صلاحیت ہی کیوں نہ موجود ہو۔ اس کے علاوہ فقیہ النفس، سلیم الذہن اور محفوظ فکر کا مالک ہو صحیح تصرف اور احکام کے استنباط کی صلاحیت اس میں موجود ہو اور بیدار مغز ہو۔

۲- فتاویٰ عالم گیری میں بھی تقریباً اسی طرح کی شرائط کا ذکر ہے۔^(۱۲۱)

۳- مفتی کے لئے ضروری ہے کہ اس کو افتاء کی ذمہ داری کا احساس ہو استفتاء کا جواب دینے اور لکھنے میں پوری بصیرت سے کام لے، خوب سوچ سمجھ کر جواب دے اور اگر جواب معلوم نہ ہو تو لادری کہہ کر سائل کو دوسرے علماء سے رجوع کرنے کا مشورہ دے محض اپنے مفتی ہونے کا رعب و بھرم برقرار رکھنے کے لئے غلط جواب نہ دے۔

۴- مفتی کے پیش نظر ہر وقت حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کا یہ قول رہنا چاہئے، ”اے لوگو اللہ سے ڈرو! تم میں سے جو کوئی کسی بات کو جانتا ہو اسی کو کہے اور جو نہیں جانتا تو یوں کہے! اللہ تعالیٰ خوب اچھی طرح جانتے ہیں، بے شک اللہ نے تمہیں یہی تعلیم دی ہے کہ جو بات تم میں سے کوئی نہ جانتا

ہو اس کے لئے اللہ اعلم کہہ دے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا! آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس قرآن پر نہ کچھ معاوضہ چاہتا ہوں اور نہ میں بناوٹ کرنے والا ہوں۔“ (۱۲۲)

۵- اگر کوئی شخص فاسق ہو تو فقہاء کی تصریحات کے مطابق وہ شخص منصبِ افتاء کا اہل نہیں جیسا کہ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ اگر مفتی فاسق ہو تو وہ مفتی نہیں ہو سکتا۔ اس قول کو متاخرین نے اختیار کیا ہے اور اسی پر اُن کا اتفاق ہے، (۱۲۳) اس کے علاوہ دیگر علماء نے بھی تصریح کی ہے کہ فاسق مفتی نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ مجتہد مطلق ہی کیوں نہ ہو ہاں وہ خود اپنے اجتہاد و فتویٰ پر عمل کر سکتا ہے لیکن مستفتی کے لئے ایسے مفتی سے سوال کرنا جائز نہیں اور نہ فاسق مفتی کے لئے فتویٰ دینا جائز ہے۔ (۱۲۴)

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جب تک کسی مفتی میں پانچ خوبیاں نہ ہوں وہ اپنے آپ کو مسندِ افتاء کا اہل سمجھنے کی جرأت نہ کرے وہ پانچ خوبیاں یہ ہیں:

- ۱- نیت صالحہ: کیونکہ نیت صالحہ دراصل ہر کام کی جان اور روح ہے۔
- ۲- حلم، وقار اور سکینہ: حلم علم کی زینت، رونق اور جمال ہے۔ طیش، جلد بازی، عجلت پسندی اور غیر مستقل مزاجی یہ سب چیزیں حلم کے خلاف ہیں۔
- ۳- بصیرت اور مہارت تامہ: کیونکہ اگر علم میں مہارت تامہ اور اپنی بصیرت پر اعتماد نہ ہو تو وہ دوسروں کی رہنمائی کیا کرے گا؟
- ۴- ذرائع معاش: اگر اس کے اپنے ذرائع معاش نہ ہوں تو لوگ اُسے ٹکڑے ڈالیں گے اور اگر وہ فقیر اور حاجتمند ہوا تو لوگوں کی طرف بچکے گا اور ان کے ہاتھوں کی طرف دیکھے گا اور انکی جیبیں ٹٹولے گا حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے تھے ”لولا ذلک لتمندل بنا هؤلاء“ اگر یہ مال نہ ہوتا تو یہ امیر لوگ ہمیں اپنے ہاتھ صاف کرنے کا رومال بنا لیتے۔

۵- احوالِ زمانہ سے واقفیت: مفتی کو عوام کے مزاج اور مختلف عادات کا علم ہو ورنہ وہ بہت سی جگہوں پر فساد برپا کر دے گا کیونکہ ظالم مظلوم کی صورت اختیار کر کے آئے گا اور دھوکہ دے جائے گا اور مظلوم مفتی کی نگاہ میں ظالم ہوگا اور وہ انصاف کے حق سے محروم ہو جائے گا کیونکہ تغیرِ زمانہ کے ساتھ فتویٰ بھی متغیر ہو جاتا ہے، زمان و مکان اور احوال و اشکال کا معاملے پر اثر پڑتا ہے۔ (۱۲۵)

مفتی اور قاضی میں فرق:

مفتی اور قاضی کے درمیان فرق کے بارے میں علماء کے دو طرح کے اقوال ملتے ہیں:

۱- پہلا قول یہ ہے کہ مفتی کی ذمہ داری قاضی کی بہ نسبت زیادہ ہے۔

چنانچہ ابو عثمان کا قول ہے کہ قاضی کا گناہ بہ نسبت مفتی کے ہلکا ہے اور وہ سلامتی کے بھی زیادہ قریب ہے اس لئے کہ مفتی کو فوراً جواب دینا پڑتا ہے جبکہ قاضی کو سوچنے اور غور کرنے کا موقع ملتا ہے ظاہر ہے جتنا سوچنے اور غور و فکر کرنے کا موقع ملے گا اتنا ہی حق و صواب ظاہر ہوگا۔ (۱۲۶)

شیخ محمد علاء الدین، علامہ ابن عابدین اور ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی قاضی اور مفتی کے درمیان فرق کے بارے میں ایک جیسی تحریریں ملتی ہیں:

وَحَاصِلُ مَا ذَكَرَ الشَّيْخُ قَاسِمٌ فِي تَصْحِيحِهِ أَنَّهُ لَا فَرْقَ بَيْنَ الْقَاضِيِ إِلَّا أَنَّ الْمَفْتِيَّ مُخْبِرٌ وَالْقَاضِيَّ مُلْزَمٌ بِهِ، (۱۲۷) یعنی مفتی اور قاضی میں صرف اتنا فرق ہے کہ مفتی اطلاع دینے والا ہوتا ہے اور قاضی اُسے لازم کرنے والا۔

ان عبارات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مفتی کی ذمہ داری قاضی سے زیادہ ہے کیونکہ فقہاء نے جہاں قاضی کی شرائط کا ذکر کیا ہے وہاں اس امر کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ قاضی مفتی کے فتویٰ پر فیصلہ دے سکتا ہے بشرطیکہ مفتی نے قضاء کی بنیاد پر فتویٰ دیا ہو اس لئے کہ مفتی کا منصب دراصل دیانت کی بنیاد پر فتویٰ دینا ہے جیسا کہ علامہ ابن عابدین نے لکھا ہے: الْمَفْتِيَّ يُفْتِي بِالِدِّيَانَةِ وَالْقَاضِيَّ يَقْضِي بِالظَّاهِرِ دَلَّ عَلَى أَنَّ الْجَاهِلَ لَا يَمْكُنُ الْقَضَاءُ وَلَا الْفَتْوَى۔ (۱۲۸) یعنی مفتی کے فتویٰ کی بنیاد دیانت داری ہوتی ہے اور قاضی ظاہری صورت حال کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اس سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ جاہل شخص نہ منصب قضاء کا اہل ہے اور نہ ہی منصب افتاء کا۔

۲- دوسرا قول یہ ہے کہ قاضی کی بہ نسبت مفتی سلامتی کے زیادہ قریب ہے اس لئے کہ وہ اپنے فتوؤں کو لازم نہیں کرتا، وہ تو صرف سائل کو جواب دیتا ہے، جو چاہے قبول کرے جو چاہے رد کرے۔ لیکن قاضی کا فیصلہ تو اہل ہوتا ہے البتہ حکم کی خبر دینے کی حد تک تو دونوں کی حالت یکساں ہے لیکن قاضی کے حکم کے بعد اس کا نہ ماننا ناممکن ہونے کی وجہ سے اس کا خطرہ بڑھا ہوا ہے اسی لئے قاضی کے حق میں جو وعید آئی ہے اس جیسی وعید مفتی کے بارے میں نہیں آئی۔ (۱۲۹)

قاضی کے بارے میں چند احادیث ملاحظہ ہوں:-

- ۱- جو شخص لوگوں کے درمیان قاضی بنایا گیا تو گویا اس کو بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔ (۱۳۰)
- ۲- قیامت کے دن عادل اور منصف قاضی کے لئے ایک لمحہ ایسا آئے گا جس وقت وہ اس خواہش کا اظہار کرے گا کہ کاش اس کو دو آدمیوں کے درمیان ایک کھجور کے قضیہ کا بھی فیصلہ کرنے کی ذمہ داری انجام نہ دینا پڑتی۔ (۱۳۱)

۳- قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں دو دوزخ میں جانے والے اور ایک جنت میں، جنت میں جانے والا قاضی وہ ہے جس نے حق کو پہچانا اور پھر حق ہی کے مطابق فیصلہ کیا اور جس نے حق کو پہچانا مگر اپنے حکم و فیصلہ میں ظلم کیا یعنی دیدہ و دانستہ حق کو پامال کیا وہ دوزخی ہو گا، اسی طرح جو شخص اپنی جہالت کی وجہ سے حق کو نہ پہچان سکا اور اسی حالت میں لوگوں کے تنازعات کا فیصلہ کرتا رہا تو وہ بھی دوزخی ہے کیونکہ اس نے حق شناسی میں کوتاہی اور تقصیر کی۔ (۱۳۲)

نا اہل مفتی اور حکومت اسلامیہ کی ذمہ داری!

منصب افتاء علم و عمل کی ایک خاص ذمہ داری کا تقاضا کرتا ہے ہر کس و ناکس کو فتویٰ دینے کا اختیار نہیں اور نہ ہی وہ اس منصب کا اہل ہے۔ اگر ارباب حکومت نے نا اہل شخص کو اس منصب پر فائز کر دیا یا ایسے مفتی کے خلاف تادیبی کارروائی نہ کی تو اس کا وبال ارباب حکومت پر ہو گا۔

علامہ ابن القیم نا اہل مفتی کے بارے میں لکھتے ہیں:

من افتی و لیس بأهل للفتویٰ فهو عاص، و من أقره من ولاية الأمور علی ذالک فهو آثم ... و كان شيخنا رضی اللہ تعالیٰ (۱۰۳) شدید الانکار علی هؤلاء، فسمعتہ يقول: قال لی بعض هؤلاء أ جعلت محتسباً علی الفتویٰ فقللت له یكون علی الخبازین والطباخین محتسباً و لایكون علی الفتویٰ محتسباً؟ (۱۳۳)

یعنی جس شخص نے اپنی نااہلی کے باوجود فتویٰ دینے کی جرأت کی تو وہ گنہگار ہے اور حکام میں سے جس نے ایسے نااہل مفتی کا تقرر کیا وہ بھی گنہگار ہو گا اور ہمارے شیخ (علامہ ابن تیمیہ) ایسے لوگوں کو سخت ناپسند کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ روٹیاں پکانے والوں اور باورچیوں پر تو نگران متعین ہیں اور جاہل مفتیوں پر نگران کیوں نہ متعین کیا جائے؟

امام احمد حرانی نا اہل مفتی کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حکام کو چاہیے ایسے لوگوں کو اس منصب سے دور کر دیں جیسے بنو امیہ کے حکام نے کیا تھا یہ

تو ایسے لوگ ہیں کہ راستوں پر بیٹھ گئے اور علم تو ہے نہیں اور جو سوار نکلا اس کو بتلا دیا کہ فلاں جگہ تمہیں جانا ہے تو اس راستے پر چلے جاؤ حالانکہ خود ہی راستہ نہیں جانتا اور اس کی مثال اس طبیب کی سی ہے جو طب کا ایک حرف نہ جانتا ہو، لیکن مطب کھول لے۔ بلکہ یہ نااہل مفتی سب سے بدتر ہے جہاں حکام کا یہ فرض ہے کہ وہ کسی اُن پڑھ کو حکمت اور دوا فروخت کرنے کی اجازت نہ دیں تو کیا یہ فرض نہیں کہ ایسے جاہلوں کو بھی فتویٰ نویسی اور مفتی بن جانے سے روک دیں جن کو قرآن و سنت کا علم نہ ہو۔ (۱۳۵)

علماء و فقہاء کی ان تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ نااہل مفتی کو فتویٰ نویسی سے روکے اور اگر پھر بھی وہ مفتی باز نہ آئے تو اس کو سخت ترین اور عبرت ناک سزا دینی چاہئے تاکہ دوسرا کوئی شخص اس طرح کی جسارت نہ کرے کیونکہ ایسے شخص کے مفتی بننے میں بے شمار مفسد ہیں جیسا کہ علامہ نووی اور دیگر فقہائے کرام نے لکھا ہے۔ (۱۳۶)

اگر حکومت نے نااہل مفتی کو فتویٰ دینے سے نہ روکا تو وہ بھی اس مفتی کے گناہ میں برابر کی شریک ہوگی۔ نااہل مفتی کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی ڈاکٹر یا طبیب علم طب سے ناواقف ہو اس کو مرض کی تشخیص کرنا ہی نہیں آتی اور علاج شروع کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے طبیب کو نہ صرف علاج کرنے سے روکا ہے بلکہ مریض کو نقصان پہنچنے کی صورت میں ایسے طبیب کو ضامن ٹھہرایا گیا ہے: قال رسول اللہ ﷺ مَنْ تَطَبَّبَ، و لَمْ يُعْلَمْ مِنْهُ طَبُّ قَبْلَ ذَلِكَ، فَهُوَ ضَامِنٌ۔ (۱۳۷) یعنی وہ طبیب مریض کو پہنچنے والے نقصان کا مالی تادان ادا کرنے کا شرعاً پابند ہے اور ایسا شخص اسلامی قانون کی رو سے مجرم ہے اور یہی حال نااہل مفتی کا ہے۔

نااہل مفتی کے بارے میں علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

”خليفة کا فرض ہے کہ وہ فتویٰ نویسی کے لئے علماء اور مدرسین میں سے کسی قابل عالم کو منتخب کرے اور فتوے اس سے لکھوائے جو فتویٰ لکھنے کا اہل ہو پھر اس کے کام پر اس کی پوری مدد کرنی چاہئے اور اس کے لئے ہر ممکن سہولت مہیا کرے۔ نااہل مفتیوں کو فتویٰ نویسی سے روک دے اور ان پر سختی سے پابندی لگا دے، کیونکہ فتویٰ نویسی مسلمانوں کی اصلاحات کا بنیادی ستون ہے جس کی حفاظت و نگہداشت خلیفہ پر واجب ہے تاکہ اس میں نااہل دخل نہ دینے پائیں اور لوگوں کو گمراہ نہ کریں اس لئے حاکم وقت مفتیوں کو خوب جانچ پڑتال کر کے مقرر کرے اور اجازت دینے نہ دینے میں مصلحت مد نظر رکھنی

چاہئے۔۔۔ (۱۳۸)

کیا عورت مسند افتاء پر بیٹھ سکتی ہے؟

فقہاء کی عبارات سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت مسند افتاء پر بیٹھ سکتی ہے منصب افتاء کے لئے مرد ہونا ضروری نہیں بلکہ مرد، عورت اور غلام، حتیٰ کہ گونگا بھی مفتی بن سکتا ہے جیسا کہ ابن الصلاح نے صراحت کی ہے: لَا يُشْتَرَطُ فِي الْمَفْتَى الْحَرِيَّةُ وَالذَّكُورَةُ كَمَا فِي الرَّأْيِ... وَلَا بَأْسَ بَأَن يَكُونَ الْمَفْتَى اَعْمَى، او اُخْرَسَ مَفْهُومِ الْاِشَارَةِ اَوْ كَاتِبًا۔ (۱۳۹)

علامہ ابن القیم کی رائے یہ ہے کہ فتویٰ میں شہادت کی بہ نسبت زیادہ وسعت ہے لہذا غلام، آزاد، عورت، مرد، رشتہ دار، غیر رشتہ دار، اجنبی، پڑھا لکھا، ان پڑھ، گونگا، بولنے والا، دوست، دشمن سب کے لئے فتویٰ دینا جائز ہے۔ (۱۴۰)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: لَا يُشْتَرَطُ اَنْ يَكُونَ حَرًّا، وَا لَا ذَكَرًا وَا لَا نَاطِقًا فَيُصَحُّ اِفْتَاءُ الْاُخْرَسِ حَيْثُ فَهَمَّتْ اِشَارَتُهُ بَلِ الْنَاطِقُ اِنْ قِيلَ لَهُ اَيُجَوِّزُ هَذَا فَحَرَكَ رَاسَهُ اَيَّ نَعْمَ جَازَ اَنْ يُعْمَلَ بِاِشَارَتِهِ۔ (۱۴۱)

ان کے علاوہ علامہ نووی، امام احمد حمدان اور علامہ حصکفی کی تحریروں میں بھی اسی طرح کی تصریحات ذکر کی گئی ہیں۔ (۱۴۲)

کیا مفتی کے فتویٰ سے کوئی چیز حلال یا حرام ہو جاتی ہے؟

جب آدمی کو معلوم ہو کہ فتویٰ اور ہے اور حقیقت اس کے خلاف ہے تو اس وقت جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس فتویٰ پر عمل نہ کرے۔ جس طرح قاضی کا خلاف واقعہ فیصلہ بے سود ہوتا ہے حقیقت کو تبدیل نہیں کر سکتا اسی طرح صرف مفتی کے فتویٰ دے دینے سے کوئی چیز حلال و حرام نہیں ہو جاتی، بالفرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اگر کسی وقت خلاف واقعہ کوئی فیصلہ سرزد ہو جائے تو اس صورت میں وہ شخص، جس کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہوا ہے اس کے لئے اس چیز کو لینا جائز نہیں جس کی صراحت خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے:

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دروازے پر جھگڑے کی آواز سنی تو آپ جھگڑا کرنے والوں کی طرف گئے اور فرمایا اس میں کوئی شک نہیں میں ایک انسان ہوں اور تم اپنے قضیے میرے پاس لیکر آتے ہو اور ممکن ہے تم میں سے کوئی

شخص اپنے دلائل پیش کرنے میں فریق مخالف سے زیادہ فصیح و بلیغ ہو اور میں اُس کا مدلل بیان سن کر اسی کے مطابق فیصلہ کر دوں کیونکہ میں اس کو سچا سمجھ رہا ہوں۔ لہذا وہ شخص جس کے حق میں، میں کسی ایسی چیز کا فیصلہ کر دوں جو حقیقت میں اس کے مسلمان بھائی کی ہو تو اس چیز کو نہ لے کیونکہ ایسی صورت میں گویا میں اس کے حق میں آگ کے ایک ٹکڑے کا فیصلہ کروں گا۔ (۱۴۳)

علامہ ابن القیم لکھتے ہیں:

والمفتی والقاضی فیہا سواء، و لا یظنُّ المستفتی أنَّ مجرد فتویٰ الفقیہ تبیح لہ ما سأل عنه اذا كان یعلم أنَّ الامر بخلافہ فی الباطن ، سواءً تردّد او حاک فی صدرہ لعلہ بالتحال فی الباطن ، او لشکّہ فیہ ، او لجہلہ بہ ، او لعلہ جہل المفتی او محاباتہ فی فتواہ او عدم تقييدہ بالکتاب والسنة او لأنّہ معروفٌ بالفتویٰ بالحیل و الرّخص المخالفة للسنة وغير ذالک من الاسباب المانعة من الثقة بفتواہ. (۱۴۴)

یعنی اس معاملہ میں مفتی اور قاضی دونوں برابر ہیں۔ مستفتی کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ وہ یہ سمجھے کہ صرف مفتی کے فتوے سے اس کے لئے وہ چیز مباح ہو گئی ہے جس کے بارے میں سوال کیا تھا، جبکہ اُسے معلوم ہو کہ واقعہ اس کے خلاف ہے، برابر ہے کہ اس کے دل میں تردد یا کھٹک پیدا ہو کیونکہ اپنی حالت کو وہ خود اچھی طرح جانتا ہے، یا اس میں کوئی شک ہو، یا جہالت ہو، یا مفتی کی جہالت کا اس کو علم ہو یا مفتی کے فتویٰ میں اسے اپنی محبت کی رعایت کا یقین ہو یا مفتی قرآن و سنت کا پابند نہ ہو یا وہ حیلوں اور خلاف سنت رخصتوں کا پورا حامی ہو یا اور اس جیسے اسباب موجود ہوں جو مفتی کی ثقاہت کے خلاف ہوں۔

فتویٰ کی زبان میں احتیاط کی ضرورت:

ہر دور میں مفتی حضرات کو مسلم معاشرہ میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مفتیوں نے اپنے اپنے دور میں فتاویٰ کے ذریعہ پیش آمدہ مسائل کا صحیح شرعی حل پیش کر کے امت مسلمہ میں اتحاد و اخوت کو فروغ دیا۔ انتہا پسندی کسی کی طرف سے ہو کسی بھی درجہ میں مستحسن نہیں اور خصوصاً مفتیان کرام سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

ایک مفتی کو دوسرے مفتی سے اختلاف رائے ہو سکتا ہے یہ امر کوئی معیوب نہیں، اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب متعین ہیں ہر شخص کو اسی دائرہ میں رہ کر اختلاف رائے کا حق حاصل

ہے، بشرطیکہ یہ اختلاف اپنے حدود، قیود و ضوابط اور اصول و آداب کے اندر ہو، امت کی وحدت فکر اور بنیادی مسائل میں اس کے مؤقف پر اثر انداز نہ ہو سکے۔

لیکن جب اختلاف رائے فتنہ و فساد یا فریق مخالف کی تکفیر کی شکل اختیار کر جائے تو پھر انتہاپسندی اپنے عروج کو پہنچ جاتی ہے۔ اُمت مسلمہ میں افتراق اور اجتماعی قوت کے جوہر کے زیاں کا سبب بن جاتی ہے۔ چنانچہ ڈکٹر طہ جابر فیاض العلوانی ایسے ہی اختلافات کے نقصانات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس دور اخیر میں امت مسلمہ کو سب سے خطرناک مرض جو لاحق ہوا ہے وہ ہے اختلاف اور مخالفت! ذوق، رجحان، کردار، اخلاق یہاں تک کہ معتقدات و نظریات، افکار و آداب، اسالیب فقہ، فرض عبادات ہر شئی اور ہر معاملے میں اختلاف گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کے پاس جتنے اوامر و نواہی ہیں سب اختلاف ہی کو ہوا دیتے ہیں اور اسی راہ پر لگاتے ہیں۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ نے اسلامی توحید کے بعد باہمی اختلاف سے اجتناب، تعلقات کو مکرر اور اخوت کو مجروح کرنے والی ہر چیز کے ازالہ اور امت مسلمہ کے اتحاد پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔“ (۱۳۵)

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی نے امت میں اختلاف کے مرض کے بڑھتے ہوئے رجحان اور اس کے نقصانات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

”اس پر آشوب دور میں جبکہ اسلام اور مسلمانوں پر ہر طرف سے فتنوں کی پورش اور مصائب کی یلغار ہے، ہمارے لئے اس سے زیادہ تباہ کن کوئی چیز نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ ان فروعی مسائل پر دست و گریبان ہوں، اور ذرا ذرا سی باتوں پر ایک دوسرے کو کافر و مشرک اور ایک دوسرے کی نمازوں کو فاسد قرار دیں، تاریخ کے صفحات پر بکھرے ہوئے بی شمار واقعات ہیں جو سبق دینے کے لئے کافی ہیں کہ مسلمانوں کی شوکت و عظمت کے پرچم کسی دشمن نے سرنگوں نہیں کئے، بلکہ ہم نے خود آپس کی خانہ جنگیوں کے ذریعہ انہیں ایک ایک کر کے زیر کیا ہے، تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی مسلمانوں میں فروعی مسائل پر معرکے گرم ہوئے ہیں ہمیشہ ان سے اسلام دشمن عناصر نے فائدہ اٹھایا ہے۔“ (۱۳۶)

تکفیر مسلم میں احتیاط کی ضرورت

کسی مسلمان پر کفر کا فتویٰ لگا دینا کوئی کھیل اور مذاق نہیں ہے کہ ذرا سا بہانہ ملے اور تکفیر کا فتویٰ لگا دیا جائے مسلمانوں کے لئے اس سے زیادہ تباہ کن کوئی چیز نہیں ہو سکتی کہ ایک دوسرے کے ساتھ فروعی مسائل پر دست و گریبان ہوں اور ذرا ذرا سی باتوں پر ایک دوسرے کو کافر قرار دیدیں۔ حالانکہ جمہور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ مفتی کے لئے ضروری ہے کہ تکفیر مسلم کے بارے میں فتویٰ دینے میں حتی الوسع انتہائی احتیاط سے کام لے اور جہاں تک ہو سکے تاویل کا سہارا لیتے ہوئے کسی بھی مسلمان کے بارے میں تکفیر کا فتویٰ دینے سے گریز کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من صلی صلوتنا واستقبل قبلتنا و اکل ذبیحتنا فذلک المسلم الذی له ذمۃ اللہ و رسوله فلا تخفروا اللہ فی ذمته (۱۳۷) یعنی کہ جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے ہمارے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے اور ہمارے ذبیحہ کو کھائے وہ مسلمان ہے، یہ شخص اللہ اور رسول کے عہد و پیمان میں ہے پس جو شخص اللہ اور رسول کے عہد و پیمان میں ہو تم اس کے ساتھ عہد شکنی مت کرو۔ اس حدیث سے بہت گنجائش نکلتی ہے اور ثابت ہو رہا ہے کہ کسی مسلمان کے خلاف کفر کا فتویٰ دینے میں حد درجہ احتیاط لازم ہے۔

ملا علی قاریؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

علمائے اہل سنت کے نزدیک کسی اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص کافر نہیں ہو گا جب تک اس سے امارات و علامات کفر میں سے کوئی شے نہ پائی جائے اور کفر کو لازم کرنے والی کوئی چیز اُس سے ظاہر نہ ہو۔ (۱۳۸)

علامہ ابن عابدین اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و فی الفتاوی الصغری الکفر شیء عظیم فلا اجعل المؤمن کافرًا متی وُجدت روایۃ اَنَّهُ لا یکفر، و فی الخلاصۃ وغیرہا اذا کان فی المسئلۃ وجوہ توجب التکفیر و وجہ واحد یمنعہ فعلی المفتی أن یمیل الی الوجہ الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم زاد البرازیة إلا اذا صرح بارادۃ موجب الکفر فلا یفیعہ التاویل...والذی تحرّر انه لا یفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامہ علی محمل حسن اوکان فی کفرہ اختلاف ولو روایۃ ضعیفۃ فعلی هذا فاکثر الفاظ التکفیر المذکورۃ لا یفتی بالتکفیر فیہا و لقد الزمت

نفسی آن لَّا أُفْتَىٰ بِشَيْءٍ مِنْهَا. (۴۹)

یعنی خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں کئی وجوہ موجب تکفیر ہوں اور ایک وجہ مانع تکفیر ہو تو مفتی کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اس وجہ کی طرف اپنا میلان ظاہر کر دے جس سے تکفیر کی نفی ہوتی ہو۔ البتہ ”بزازیہ“ میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اگر کسی شخص نے کفر کے مراد ہونے کی تصریح کر دی تو اس صورت میں تاویل فائدہ مند نہیں ہوگی۔ کفر نہایت سنگین چیز ہے جب مجھے کوئی ایسی روایت مل جائے جس سے اس کے کفر کی نفی ہو رہی ہو تو میں کسی مومن کو کافر قرار نہیں دیتا،... اور وہ بات جو واضح اور متعین ہو چکی ہے وہ یہ ہے کہ کسی ایسے مسلمان کی تکفیر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا جس کے کلام کو اچھے معنی پر محمول کیا جاسکتا ہو، یا اس کے کفر میں اختلاف ہو اور اگرچہ کسی ضعیف روایت کی بنا پر ہو۔ مذکورہ اکثر الفاظ ایسے ہیں جن پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جاسکتا اور میں نے اپنی ذات پر لازم کر رکھا ہے کہ کبھی بھی اس طرح کے الفاظ کے قائل پر تکفیر کا فتویٰ نہیں دوں گا۔

ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں تکفیر مسلم کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد ذكروا أن المسئلة المتعلقة بالكفر اذا كان لها تسع وتسعون احتمالاً للكفر واحتمال واحد في نفيه فالاولى للمفتي والقاضي أن يعمل بالاحتمال النافي ، لان الخطاء في ابقاء الف كافر اھون من الخطاء في افتناء مسلم واحد ، وقد صرح قاضيخان في فتاوى بأن الخطاى اذا جرى على لسانه كلمة الكفر خطاءً لم يكن كفراً عند الكل ، بخلاف الهاذل لأنه يقول قصداً. (۱۵۰)

یعنی علماء نے مسئلہ متعلقہ بالکفر کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ اس کلمہ کفر کے ننانوے احتمالات کفر کے ہوں اور ایک احتمال کفر کی نفی کے بارے میں تو قاضی اور مفتی کے لئے بہتر یہی ہے کہ کفر کے نفی کرنے والے احتمال پر عمل کرے، کیونکہ ایک ہزار کافروں کو کفر پر باقی رکھنے میں غلطی کرنا یہ کمتر ہے اس غلطی سے جو ایک مسلمان کو فناء کر دے (یعنی کسی مسلمان کو کافر قرار دیا جائے) اور قاضی خان نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ خطا کرنے والے کی زبان پر غلطی سے اگر کلمہ کفر جاری ہو جائے تو وہ اس سے کافر نہیں ہوتا، تمام فقہاء کے نزدیک، بخلاف بازل (غیر سنجیدہ) کے کیونکہ وہ بالارادہ کفر کا کلمہ کہتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

- (۱) الانفال: ۲۴۔
- (۲) المائدہ: ۳۔
- (۳) البقرہ: ۱۸۵۔
- (۴) المائدہ: ۶، الحج: ۷۸۔
- (۵) آل عمران: ۱۶۴، الاحزاب: ۲۱۔
- (۶) یوسف: ۴۰۔
- (۷) الامام احمد بن حنبل، مسند الامام احمد، ۵: ۲۷۲، ۲۸۰، ۲۸۶، حدیث نمبر: ۲۲۰۶۸، ۲۲۱۶۱، ۲۲۱۶۲ (دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۳ء)
- ☆ الحافظ ابی داؤد سلیمان بن الاشعث البخاری، سنن ابی داؤد، ۵: ۲، ۵۰، حدیث نمبر: ۳۵۹۲ (دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۶ء)
- (۸) النور: ۶۱
- (۹) فقہ: فقہ کا لفظ لغت میں کسی چیز کے جاننے، سمجھنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بعد میں اس کا استعمال خاص علم دین کے فہم میں ہونے لگا، یعنی فقہ کا اطلاق اُن احکام و قوانین پر ہونے لگا جن کو فقہاء نے قرآن سنت کے مقرر کردہ اصول اور مبادی احکام سے مستنبط کیا ہے۔ تفصیل دیکھئے: ابن منظور، ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم، الافریق المصری، لسان العرب، ۱۵: ۴۵۰، (نشر الادب الجوزہ، قم، ۱۹۸۵ء)
- ۲- قاضی ظہور الحسن، تاریخ الفقہ، ص: ۱۲، (مکتبہ معین الادب، اردو بازار لاہور، ۱۹۸۴ء)
- ۳- قرآن کریم میں بھی یہی مفہوم مراد لیا گیا ہے ملاحظہ ہو: الانعام: ۲۵، ۲۵ (۲) الاسرا: ۴۳، ۴۵ (۳) ط ۲۸۔
- ۴- حدیث شریف میں ہے ”مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْ فِي الدِّينِ“ اللہ جس سے خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کا فہم عطا کر دیتا ہے، دیکھئے: بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری ۱: ۱۶۱، (قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء)
- ☆ نیشاپوری، ابوالحسن مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم، ۲: ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۳، ۱۵۲۳ (دارالکتب العلمیہ، بیروت سن ندارد)
- (۱۰) المائدہ: ۳۔
- (۱۱) ابنی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص: ۴۰، (قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی، ۱۹۹۱ء)
- ☆ اصلاحی، صدر الدین، اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ، ص: ۹، (اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۹ء)
- (۱۲) ارتقاء: ارتقاء کے لغوی معنی ہیں بتدریج ترقی کرنا، بتدریج نشوونما ہونا، دیکھئے، مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات اردو، ص ۸۲، فیروز سنز، کراچی، سن ندارد۔ اور ارتقاء کی اصطلاح کا اطلاق بالعموم ایسی صورتحال پر ہوتا ہے جو ہر بعد کی حالت کی پہلی حالت سے مطلوب سمت میں مختلف ہو اور ہدف یا مثالیت کے قریب تر کرنے والی ہو، اسی لئے اُسے مطلوب یا معمول کے مطابق تبدیلیوں کا سلسلہ کہا جاتا ہے۔
- (۱۳) ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ۱: ۱۴۱، ۱۵، (مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکتبہ المکرمۃ، ۱۹۹۶ء)
- (۱۴) ”فن“ فن کی مختصر تعریف یہ ہے: علم سے حاصل ہونے والی معلومات کو عملی شکل دینے کا نام فن ہے، دیکھئے: شیخ مبارک علی، معاشیات جدید، ص: ۳۱، (کفایت اکیڈمی شاہراہ لیاقت کراچی، ۱۹۸۶ء)

- (۱۵) ابن قیم الجوزیة، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ۱: ۳۲۱۔
- (۱۶) تفصیل کے لئے دیکھئے، الرحلی، الدكتور وھبہ، الفقہ الاسلامی وأدلتہ، ۱: ۶۷-۷۲، (المکتبہ الحقانیہ، پشاور، سن ندارد)
- ۱- علی محمد معوض، عادل احمد عبد الموجود، مقدمة بدأیة المجتهد و نهاية المقتصد، ۱: ۲۱-۳۳، (دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۶ء)
- (۱۷) ابن منظور، ابو الفضل بھال الدین محمد بن مکرم، الافریقی المصری، لسان العرب، ۱۵: ۱۴۵، (نشر الادب الحوزہ، قم، ۱۹۸۵ء)
- ☆ دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۵: ۱۳۹۔ زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب لاہور، (یونیورسٹی آف پنجاب، ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء)
- (۱۸) سید عبد الدائم الجلالی، لغات القرآن، ۵: ۳۸، (دار الاشاعت کراچی، ۱۹۸۶ء)
- (۱۹) ابوالفیض السید محمد مرتضی الواسطی الزبیدی الحنفی، تاج العروس، ۱۰: ۲۷۵، (احیاء التراث، مصر، ۱۳۰۶ھ)
- (۲۰) سید عبدالدائم الجلالی، لغات القرآن، ۵: ۳۹۔
- (۲۱) ابن منظور، لسان العرب، ۱۵: ۱۴۵۔
- (۲۲) الزبیدی، تاج العروس، ۱۰: ۲۷۵۔
- (۲۳) ابن منظور، لسان العرب، ۱۵: ۱۴۵۔
- ۲- الزبیدی، تاج العروس، ۱۰: ۲۷۵۔
- (۲۴) ابن منظور، لسان العرب، ۱۵: ۱۴۷۔
- ۲- الزبیدی، تاج العروس، ۱۰: ۲۷۵۔
- (۲۵) ابن منظور، لسان العرب، ۱۵: ۱۴۸۔
- (۲۶) محمد فرید وجدی، دائرہ معارف القرن العشرين، ۷: ۱۲۳، (دار المعرفہ، بیروت، ۱۹۷۱ء)
- ۲- الزبیدی، تاج العروس، ۱۰: ۲۷۵۔
- (۲۷) تفصیل دیکھئے :
- ۱- بلیاوی، عبدالحفیظ، مصباح اللغات، ص ۶۱۸، (قدیمی کتب خانہ کرچی، سن ندارد)
- ۲- کیرانوی، وحید الزمان قاسمی، القاموس التجدید ص ۶۸۶، (ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۹۰ء)
- ۳- محمد رفیع و محمد فاضل، فرہنگ فارسی ص ۵۲۳، (دار الاشاعت کراچی، ۱۹۹۰ء)
- ۴- لوئیس معلوف، المنجد ص ۷۲۹، (انتشارات اسماعیلیان تہران، ۱۳۶۴ھ)
- (۲۸) فیروزالدین، فیروز اللغات اردو، ص ۹۲۳، (فیروز سنز، لاہور، سن ندارد)
- (۲۹) وحید الزمان، لغات الحدیث، ۳: ، باب ”ف“، ص ۹، (میر محمد کتب خانہ کراچی، سن ندارد)
- (۳۰) تفصیل دیکھئے : بلیاوی، عبدالحفیظ، مصباح اللغات، ص ۶۱۸، (قدیمی کتب خانہ کراچی، سن ندارد)
- ۲- لوئیس معلوف، المنجد، ص ۷۲۹۔
- ۳- فیروزالدین، فیروز اللغات اردو، ص ۱۰۲۔
- (۳۱) زین العابدین سجاد میرٹھی، بیان اللسان ص ۸۷، (دار الاشاعت کراچی، ۱۹۷۴ء)
- (۳۲) وحید الزمان، لغات الحدیث، ۳: ۱۹، باب ”ف“۔
- (۳۳) عبدالحفیظ بلیاوی، مصباح اللغات، ص ۶۱۸، نیز المنجد ص ۷۲۹۔
- (۳۴) فیروزالدین، فیروز اللغات اردو، ص ۱۲۶۹۔

- (۳۵) عبدالحفیظ بلیاوی ، مصباح اللغات ، ص ۶۱۸۔
☆ لوئیس معلوف، المنجد، ص ۷۲۹۔
- (۳۶) کیرانوی، وحید الزمان قاسمی، القاموس المجید، ص ۶۸۶۔
- (۳۷) فیروز الدین، فیروز اللغات اردو، ص ۹۱۔
- (۳۸) ایضاً ص ۱۲۴۳۔
- (۳۹) النساء : ۱۲۷۔
- (۴۰) النساء : ۱۷۶۔
- (۴۱) یوسف : ۴۱۔
- (۴۲) یوسف : ۴۳۔
- (۴۳) یوسف : ۴۶۔
- (۴۴) الکہف : ۲۲۔
- (۴۵) النمل : ۳۲۔
- (۴۶) الصافات : ۱۱۔
- (۴۷) الصافات : ۱۲۹۔
- (۴۸) النساء : ۲۵۔
- (۴۹) یوسف : ۳۰۔
- (۵۰) یوسف : ۳۶۔
- (۵۱) یوسف : ۶۲۔
- (۵۲) الکہف : ۱۰۔
- (۵۳) الکہف : ۱۳۔
- (۵۴) الکہف : ۶۰۔
- (۵۵) الکہف : ۶۲۔
- (۵۶) الانبیاء : ۶۰۔
- (۵۷) النور : ۳۳۔
- (۵۸) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- ☆ الھندی، علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین، [۱۰۰:U'ĀĒY] æ U]çTĪY] q̣B%o oÉ U'WĀO] ˆBÒ (مؤسسه الرسالۃ ، دمشق، ۱۹۹۳ء)
۱۹۲، حدیث نمبر: ۲۹۰۱۸ (مؤسسه الرسالۃ ، دمشق، ۱۹۹۳ء)
۲- ابن قیم الجوزیہ: اعلام الموقعین عن رب العالمین، ۴: ۱۳۲۴، مکتبۃ نزار مصطفی الباز، مکہ المکرمۃ، ۱۹۹۶ء۔
- ۳- احمد بن حمدان الحرانی الحسنبلی، صفۃ الفتوی و المفتی و المستفتی، ص: ۶، منشورات المکتب الاسلامی، دمشق، ۱۴۸۰ھ۔
- (۵۹) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- ۱- امام احمد بن حنبل، مسند الامام احمد، ۲: ۴۲۹، حدیث نمبر: ۸۲۸۶، (دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۳ء)
- ۲- الداری، عبد اللہ بن عبد الرحمن السمرقندی، سنن الدارمی، ۱: ۶۹، حدیث نمبر: ۱۵۹ (قدیمی) کتب خانہ

- کراچی، سن ندارد)
- ۳- ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ، القزوی، سنن ابن ماجہ، ۲۰:۱، حدیث نمبر: ۵۳ (دارالمعرفہ، بیروت، ۱۳۱۶ھ/۱۹۹۶ء)
- ۴- الہندی، علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال، ۱۰:۱۹۳، حدیث نمبر: ۲۹۰۱۹
- (۶۰) الدارمی، سنن الدارمی، ۶۹:۱، حدیث نمبر: ۱۵۷
- ۲- الہندی، علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال، ۱۰:۱۸۳، حدیث نمبر: ۲۸۹۶۱ -
- (۶۱) امام احمد بن حنبل، مسند الامام احمد، ۴: ۲۷۹، حدیث نمبر: ۱۸۰۲۲، ۱۸۰۲۳
- ۲- الدارمی، سنن الدارمی، ۲: ۳۲۰، (حدیث نمبر: ۲۵۳۳)
- (۶۲) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- ۱- بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ۲: ۴۶۲، ۸۵۸، (قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء)
- ۲- النیسابوری، ابوالحسن مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم، ۴: ۱۹، ۷، (حدیث نمبر: ۲۱۸۹)، (دارالکتب العلمیہ، بیروت، سن ندارد)
- ۳- امام احمد بن حنبل، مسند الامام احمد، ۶: ۶۵، (حدیث نمبر: ۲۳۳۵۳)
- (۶۳) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- ۱- بخاری، صحیح البخاری، ۱: ۲۰
- ۲- مسلم، صحیح مسلم، ۴: ۲۰۵۹، (حدیث نمبر: ۲۶۷۳)
- ۳- امام احمد بن حنبل، مسند الامام احمد، ۲: ۲۲۰، (حدیث نمبر: ۶۵۱۸)
- ۴- ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ۱: ۴۰، (حدیث نمبر: ۵۳)
- (۶۴) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- ۱- الجستانی، الحافظ ابی داؤد سلیمان بن الأشعث، سنن ابی داؤد، ۲: ۵۲۷، (حدیث نمبر: ۳۶۵۷)، (دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۶ء)
- ۲- التیمی، ابی بکر احمد بن حسین بن علی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۹۹، (حدیث نمبر: ۲۰۳۵۳)، (دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۴ء)
- ۳- امام احمد بن حنبل، مسند الامام احمد، ۲: ۳۲۹، ۴۸۳، (حدیث نمبر: ۸۲۸۶، ۸۷۹۷)۔
- (۶۵) الدارمی، سنن الدارمی، ۱: ۶۹، (حدیث نمبر: ۱۶۰)
- (۶۶) الدارمی، سنن الدارمی، ۱: ۷۳، (حدیث نمبر: ۱۷۱)
- (۶۷) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- ۱- بخاری، صحیح البخاری، ۱: ۴۳، ۱: ۱۸۹، ۲: ۲۵۱، ۲: ۶۳۱، ۷: ۷۲۸، ۸: ۸۰۲، ۸: ۸۸۲، ۹: ۹۲۰، ۱۰: ۱۰۲۹، ۱۰: ۱۰۳۰
- ۲- مسلم، صحیح مسلم، ۱: ۲۶۳، ۲: ۶۹۰، ۲: ۶۹۶، ۲: ۸۸۶، ۳: ۷۸۱، ۳: ۹۱۲، ۳: ۱۱۲۲، ۳: ۱۲۶۲، ۳: ۱۵۸۷، ۳: ۱۴۹۹، (حدیث نمبر: ۳۳۳، ۹۹۲، ۱۰۰۳، ۱۲۱۸، ۱۱۱۰، ۱۲۲۲، ۱۲۸۳، ۱۶۲۲، ۱۷۳۳، ۱۷۷۹)
- ۳- الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، ۲۳: ۴۳، (الشیخ ایم سعید، کراچی سن ندارد)

- (۷۳) النساء: ۶۵۔
- (۷۴) النساء: ۵۹۔
- (۷۵) اعلام الموقعین عن رب العالمین، ا: ۱۴۔
- (۷۶) الدارمی، سنن الدارمی، ا: ۶۳، (حدیث نمبر: ۱۲۵)۔
- (۷۷) تفصیل دیکھئے: اعلام الموقعین عن رب العالمین، ۴: ۲۶۶-۳۱۴۔
- (۷۸) یہ فتاویٰ شوال ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں مرتب کئے گئے تفصیل دیکھئے: سید اصغر حسین دیوبندی، فتاویٰ محمدی مع شرح دیوبندی، اعزازیہ کتب خانہ دیوبند، یو. پی. سن ندارد۔
- (۷۹) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- ۱- البخاری، صحیح البخاری، ا: ۲۸، ۳۹۔
- ۲- مسلم، صحیح مسلم، ا: ۲۸۰، (حدیث نمبر: ۳۶۸)۔
- ۳- الترمذی، جامع الترمذی، ا: ۳۶۔
- ☆ ابوداؤد، سنن ابی داؤد، ا: ۱۲۹، (حدیث نمبر: ۳۲۲، ۳۲۳)۔
- ۴- النسائی، سنن النسائی، ا: ۱۸۱، ۱۸۳-۱۸۵، (حدیث نمبر: ۳۱۱، ۳۱۵ - ۳۱۸)۔ ☆ ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ا: ۳۱۹، (حدیث نمبر: ۵۶۹)۔
- ۵- الامام احمد، مسند الامام احمد بن حنبل، ۴: ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۹۳، (حدیث نمبر: ۱۸۳۲۵، ۱۸۳۵۹، ۱۸۹۱۱)۔
- ۶- الدارقطنی، سنن الدارقطنی، ا: ۱۸۸، ۱۹۰، (حدیث نمبر: ۶۷۳، ۶۹۱)۔ ☆ البیہقی، السنن الکبریٰ، ۳۲۱، (حدیث نمبر: ۱۰۰۴)۔
- ۷- البغوی، شرح السنة، ا: ۳۹۸، (حدیث نمبر: ۳۰۹)۔
- (۸۰) الامام احمد، مسند امام احمد بن حنبل، ا: ۱۴۰، ۶، ۱۲۴، (حدیث نمبر: ۷۵۱، ۲۳۸۵۰)۔
- (۸۱) النووی، حافظ ابو زکریا محی الدین بن شرف، المجموع شرح المہذب، ا: ۴۰، (المطبعة العربیہ قاہرہ، سن ندارد)
- ۲- ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین، ۲: ۵۵۳۔
- (۸۲) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- ۱- دارمی، سنن الدارمی، ا: ۶۵، (حدیث نمبر: ۱۳۵)۔
- ۲- النووی، المجموع شرح المہذب، ا: ۴۰،
- ۳- الامام احمد بن حمران الحارانی الحسینی، صفة الفتویٰ والمفتی والمستفتی، ص ۷، (منشورات الملک الاسلامی، دمشق، ۱۳۸۰ھ)
- ۴- ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین، ۱۳۲۵۔
- ۵- ابن الصلاح، ادب المفتی والمستفتی، ص: ۴۵، ۹، (میر محمد کتب خانہ، کراچی، سن ندارد)۔ ابن صلاح کا مکمل نام: حافظ تقی الدین ابو عمرو عثمان بن صلاح عبد الرحمن الشہر زوری ہے، ابن حجر العسقلانی، شرح نخبہ الفکر، ص: ۲۲، (شیخ غلام علی ایڈٹرز لاہور، ۱۹۹۶ء)
- (۸۳) نووی، المجموع شرح المہذب، ا: ۴۰۔
- ☆ ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین، ۴: ۱۳۲۵۔
- (۸۴) ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین، ا: ۱۴۔

- (۸۵) محب الدین الخطیب، علی ہامش مؤطا امام مالک، ص ۷۷۔
- (۸۶) العسقلانی، الحافظ احمد بن علی بن حجر، الإصابة فی تمييز الصحابة، ۴: ۱۵۹، (دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۵ء)
- (۸۷) ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین، ۱: ۱۳۔
- (۸۸) ابن عبدالبر، ابو عمرو یوسف ابن عبداللہ، الاستیعاب علی صلب ہامش الاصابة فی تمييز الصحابة، ۲: ۳۳۲، (دار احیاء و التراث العربی، بیروت، ۱۳۲۸ھ)
- (۸۹) العسقلانی، الحافظ احمد بن علی بن حجر، تہذیب التہذیب، ۴: ۴۰۸، بیروت، ۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۵ء۔
- (۹۰) البصری، ابو عبداللہ محمد بن سعد، الطبقات الكبرى، ۴: ۱۲۳، درالفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء۔
- ☆ ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین، ۲: ۵۵۳۔
- (۹۱) ابن حجر، الاصابة فی تمييز الصحابة، ۴: ۱۶۰۔
- (۹۲) المآئدة: ۹۶۔
- (۹۳) امام مالک ابن انس، مؤطا امام مالک، ۲: ۳۹۵۔
- (۹۴) نووی، المجموع شرح المہذب، ۱: ۴۰۔
- (۹۵) ایضاً، ۱: ۴۰۔
- (۹۶) نووی، المجموع شرح المہذب، ۱: ۴۱۔
- ۲- الامام احمد بن حمدان الحرانی الحسنبلی، صفته الفتویٰ والمفتیٰ والمستفتیٰ، ص ۸۔
- (۹۷) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- ۱- نووی، المجموع شرح المہذب، ۱: ۴۱۔
- ۲- الامام احمد بن حمدان الحرانی الحسنبلی، صفته الفتویٰ والمفتیٰ والمستفتیٰ، ص ۸۔
- ۳- ابن الصلاح، ادب المفتیٰ والمستفتیٰ، ص ۳۔
- (۹۸) ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ۲: ۵۵۴۔
- (۹۹) ایضاً، ۲: ۵۵۴۔
- (۱۰۰) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- ۱- الترمذی، جامع الترمذی، ۲: ۲۱۔
- ۲- التیمیہ، ابوبکر احمد بن الحسن، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۷۸، (حدیث نمبر: ۲۰۷۰)۔
- ۳- اللہدی، علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال، ۳: ۹۸، ۱۳۲ (حدیث نمبر: ۵۶۷۲، ۵۸۳۳)، (مؤسسۃ الرسالہ، دمشق، ۱۹۹۳ء)
- (۱۰۱) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- ۱- نووی، المجموع شرح المہذب، ۱: ۴۱۔
- ۲- ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین، ۲: ۵۵۴۔
- ۳- عثمانی، ظفر احمد، اعلاء السنن، ۲۰: ۱۰، ادارة القرآن و العلوم الاسلامیہ، (کراچی ۱۴۱۱ھ / ۱۹۹۳ء)
- (۱۰۲) المزمّل: ۵۔
- (۱۰۳) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- ۱- نووی، المجموع شرح المہذب، ۱: ۴۱۔
- ۲- ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین، ۲: ۵۵۴۔

- ۳- ابن صلاح، ادب المفتی و المستفتی، ص: ۱۳، میر محمد کتب خانہ، کراچی، سن ندارد۔
- ۴- احمد بن حمران الحزانی الحسینی، صفۃ الفتوی و المفتی و المستفتی، ص: ۸۔
- (۱۰۴) نووی، المجموع شرح المہذب، ۴۰: ۱۔
- (۱۰۵) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- ۱- نووی، المجموع شرح المہذب، ۴۰: ۱۔
- ۲- ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ۴: ۱۳۳۵۔
- ۳- احمد بن حمران الحزانی الحسینی، صفۃ الفتوی و المفتی و المستفتی، ص: ۱۰۔
- (۱۰۶) احمد بن حمران الحزانی الحسینی، صفۃ الفتوی و المفتی و المستفتی، ص: ۱۲۔
- (۱۰۷) احمد بن حمران الحزانی الحسینی، صفۃ الفتوی و المفتی و المستفتی، ص: ۹۔
- ۲- ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ۴: ۱۳۳۵۔
- (۱۰۸) احمد بن حمران الحزانی الحسینی، صفۃ الفتوی و المفتی و المستفتی، ص: ۹۔
- (۱۰۹) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- ۱- الدارمی، سنن الدارمی، ۱: ۷۳، (حدیث نمبر: ۱۷۱)۔
- ۲- نووی، المجموع شرح المہذب، ۴۰: ۱۔
- ۳- ابن الصلاح، ادب المفتی و المستفتی، ص: ۷۔
- (۱۱۰) الامام احمد بن حنبل، مسند الامام احمد، ۴: ۱۰۰، (حدیث نمبر: ۱۶۷۴۹)۔
- ۱- الترمذی، السنن الکبریٰ، ۳: ۹۲، (حدیث نمبر: ۴۹۸۳)۔
- (۱۱۱) نووی، المجموع شرح المہذب، ۴۵: ۱۔
- ۱- احمد بن حمران الحزانی الحسینی، صفۃ الفتوی و المفتی و المستفتی، ص: ۶۔
- (۱۱۲) النحل: ۱۱۶۔
- (۱۱۳) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- ۱- الرازی، فخر الدین محمد بن عمر، المحصول فی علم اصول الفقہ، ۱: ۲۱۹، ۲: ۶۹۲، ۳: ۷۶۸، ۱۰۷۱، ۴: ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۶۹، (مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز الریاض، ۱۹۹۷ء)
- ۲- ابن رشد، قاضی ابو الولید القرطبی الاندلسی، بدایۃ المجتہد و نہایۃ المفتصد، ۱: ۳۵، ۲۲۲، ۲۳۱، ۲۷۰، ۲۷۹، ۲۸۳، ۲۹۰، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان- ۱۹۹۶ء۔
- ۳- الباجی، قاضی ابو الولید سلیمان بن خلف الاندلسی القرطبی الذہبی، الاشارہ فی اصول الفقہ، ۱۶۲-۱۷۲، ۳۰۰، ۴۲۲، (مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، الریاض، ۱۹۹۶ء)
- ۴- البصری، ابی الحسین محمد بن علی المعتزلی، المعتمد فی اصول الفقہ، ۱: ۲۵، ۳۷، ۲: ۳، ۳: ۷۳، ۱۸۹، ۲۹۵، ۳۲۵، (دار الکتب العلمیۃ بیروت، سن ندارد)
- ۵- ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ۱: ۲۸-۳۰۔
- ۶- ملا جیون، شیخ احمد، نور الانوار، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، سن ندارد۔
- ۷- الرضوی، الدكتور وھب، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۱: ۳۰-۳۸۔ (المکتبہ الحقیقیہ، پشاور، سن ندارد)
- ۸- الرضوی، الدكتور وھب، أصول الفقہ الاسلامی، ۱: ۴۲۰، ۴۲۹، ۴۸۶، ۶۰، ۲: ۳۶، ۷۵۲، ۸۲۸، ۸۳۸، ۸۵۰، ۸۵۹، ۸۷۳، ۹۱۵، ۹۲۱۔
- ۹- زیدان، عبد الکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، ۱۵۲، ۱۶۱، ۱۷۹، ۱۹۴، ۲۳۰، ۲۳۶، ۲۶۷، (فاران اکیڈمی

- اردو بازار لاہور، سن ندارد)
- (۱۱۳) البصری، ابی الحسین محمد بن علی المعتزلی، المعتمد فی اصول الفقہ، ۱: ۲۵۷۔
- (۱۱۵) بلخ آبادی، سید امیر علی، مقدمہ فتاویٰ ہندیہ المعروف فتاویٰ عالمگیری (اردو) ۱: ۱۲۱۔ (مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور، سن ندارد)
- (۱۱۶) الفتاویٰ الہندیہ المعروف بہ الفتاویٰ العالمگیریہ، ۳: ۳۰۸، (مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء)
- (۱۱۷) ابن ہمام، کمال الدین محمد عبد الحمید، فتح القدیر، ۶: ۳۶۰، (مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، سن ندارد)
- (۱۱۸) ☆ ابن عابدین، محمد ابن، رد المحتار، ۱: ۵۱، (مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ، ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:
- ۱- ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ۱: ۱۳-۲۵۔
- ۲- ابن عابدین، محمد ابن، شرح عقود رسم المفتی، ص: ۹، (قدیمی کتب خانہ، کراچی، سن ندارد)
- ۳- عثمانی، ظفر احمد، اعلاء السنن، ۲۰: ۸۔
- (۱۱۹) متن میں مذکور مفتی کے اہم شرائط و اوصاف کے علاوہ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:-
- ۱- القرانی، شہاب الدین ابی العباس احمد بن ادریس المصری المالکی، الاحکام فی تمييز الفتاویٰ عن الاحکام و تصرفات القاضی و الامام، صفحات: ۲۷۰-۲۷۲، (مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب، ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء)
- ۲- القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ۲: ۴۴۵، (المکتبۃ الحسینیہ، کوئٹہ، سن ندارد)
- ۳- الفتاویٰ الہندیہ المعروف بہ الفتاویٰ العالمگیریہ، ۳: ۳۰۹۔
- ۴- ابن الصلاح، ادب المفتی و المستفتی، ص: ۸۳۔
- ۵- احمد بن حمدان الحرانی احسنی، صفۃ الفتویٰ و المفتی و المستفتی، ص: ۶۷۔
- ۶- ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ۴: ۱۳۵۷۔
- (۱۲۰) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:
- ۱- ابن صلاح، ادب المفتی و المستفتی، ص: ۲۱۔
- ۲- نووی، المجموع شرح المہذب، ۱: ۴۲۔
- ۳- احمد بن حمدان الحرانی احسنی، صفۃ الفتویٰ و المفتی و المستفتی، ص: ۱۳۔
- (۱۲۱) فتاویٰ ہندیہ المعروف بہ فتاویٰ عالمگیری، ۳: ۳۰۹۔
- (۱۲۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:
- ۱- بخاری، صحیح البخاری، ۲: ۷۱۰۔
- ۲- مسلم، صحیح مسلم، ۲: ۲۱۵۶، (الحدیث: ۲۷۹۸)
- ۳- دارمی، سنن الدارمی، ۱: ۷۳، (الحدیث: ۱۷۳)۔
- (۱۲۳) الفتاویٰ الہندیہ المعروف بہ الفتاویٰ العالمگیریہ، ۳: ۳۰۹، نیز دیکھئے، رد المحتار، ۳: ۳۳۵۔
- (۱۲۴) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- ۱- ابن صلاح، ادب المفتی و المستفتی، ص: ۴۲۔
- ۲- احمد بن حمدان الحرانی احسنی، صفۃ الفتویٰ و المفتی و المستفتی، ص: ۲۹۔
- ۳- ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ۴: ۱۳۲۶۔

- (۱۲۵) تفصیل دیکھئے: ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین ۲: ۱۳۰۹-۱۳۱۳۔
۲- عثمانی، ظفر احمد، اعلاء السنن، ۲۰: ۸۔
- (۱۲۶) ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ۱: ۳۵۔
- (۱۲۷) تفصیل کے لئے دیکھئے:
۱- صلفی، شیخ محمد علاء الدین بن علی، در المختار، ۱: ۵۵، (مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء)
۲- ابن عابدین، ۲: ۶۶۵، رد المحتار۔
۳- ابن عابدین، شرح عقود رسم المفتی، ص: ۴۔
۴- الریحلی، الدکتور وھیہ، الفقه الاسلامی وأدلّته، ۱: ۴۹۔
- (۱۲۸) ابن عابدین، رد المحتار، ۴: ۳۴۰۔
- (۱۲۹) ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ۱: ۳۵۔
- (۱۳۰) تفصیل کے لئے دیکھئے:
۱- ترمذی، جامع الترمذی، ۱: ۲۲۷۔
۲- ابوداؤد، سنن ابی داؤد، ۲: ۵۰۶، (حدیث نمبر: ۳۵۷۲)۔
۳- ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ۳: ۹۸، (حدیث نمبر: ۲۳۰۸)۔
۴- الامام احمد، مسند امام احمد، ۲: ۴۸۴، (حدیث نمبر: ۸۷۹۸)۔
۵- بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۶۵، (حدیث نمبر: ۲۰۲۱۹)۔
۶- ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ۱: ۳۸۔
- (۱۳۱) الامام احمد، مسند امام احمد، ۶: ۸۴، (حدیث نمبر: ۲۴۵۱۸)۔
۲- بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۶۵، (حدیث نمبر: ۲۰۲۲۱)۔
- (۱۳۲) تفصیل کے لئے دیکھئے:
۱- ابوداؤد، سنن ابی داؤد، ۲: ۵۰۶، (حدیث نمبر: ۳۵۷۳)۔
۲- ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ۳: ۹۳، (حدیث نمبر: ۲۳۱۵)۔
۳- بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۹۹، (حدیث نمبر: ۲۰۳۵۴)۔
۴- ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ۱: ۳۷۔
- (۱۳۳) شیخنا رضی اللہ تعالیٰ سے مراد علامہ ابن تیمیہ ہیں۔
- (۱۳۴) ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ۲: ۱۳۲۴۔
- (۱۳۵) احمد بن حمران الحرانی احسنی، صفة الفتویٰ و المفتی و المستفتی، ص: ۲۴۔
- (۱۳۶) تفصیل کے لئے دیکھئے:
۱- ابن عابدین، شرح عقود رسم المفتی، ص: ۹۔
۲- نووی، المجموع شرح المہذب، ۱: ۴۱۔
۳- ابن صلاح، ادب المفتی و المستفتی، ص: ۲۰۔
- (۱۳۷) تفصیل کے لئے دیکھئے:
۱- ابوداؤد، سنن ابی داؤد، ۳: ۱۹۹، (الحدیث: ۴۵۸۶)۔
۲- ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ۴: ۱۰۳، (الحدیث: ۳۴۶۶)۔
۳- نسائی، سنن النسائی، ۸: ۴۲۳، (الحدیث: ۴۸۴۵)۔

- (۱۳۸) ابن خلدون، عبدالرحمن بن محمد الخضرى، مقدمہ ابن خلدون، ۲۷۴، دارالفکر، بیروت، ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء۔
- (۱۳۹) ابن صلاح، ادب المفتی والمستفتی، ص: ۲۲-۲۴۔
- (۱۴۰) ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ۲: ۲۳۲۶۔
- (۱۴۱) الفتاویٰ الہندیہ المعروف بہ الفتاویٰ العالمگیریہ، ۳: ۳۰۹۔
- (۱۴۲) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- ۱- نووی، المجموع شرح المہذب، ۱: ۴۱،
- ۲- احمد بن حمران الحزائی الحنبلی، صفۃ الفتویٰ والمفتی والمستفتی، ص: ۲۹۔
- ۳- شیخ محمد بن علی، درالمختار، ۴: ۳۳۷۔
- (۱۴۳) تفصیل کے لئے دیکھئے: البخاری، صحیح البخاری، ۱: ۳۳۲، ۲: ۱۰۶۴۔
- ۱- مسلم، صحیح مسلم، ۳: ۲۹، (حدیث نمبر: ۱۷۱۳)۔
- ۲- الامام احمد، مسند الامام احمد، ۶: ۲۲۶، ۳۲۳، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۵۳، (حدیث نمبر: ۲۵۷۲۵، ۲۶۵۴۷، ۲۶۶۷۳، ۲۶۶۸۲، ۲۶۷۷۳)۔
- ۳- ابن ماجہ، [âq'U`è] à8%، ۳: ۹۴، (حدیث نمبر: ۲۳۱۷، ۲۳۱۸)۔
- ۴- نسائی، سنن النسائی، ۸: ۶۲۵، (حدیث نمبر: ۵۴۱۶)۔
- (۱۴۴) ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ۴: ۱۳۵۵۔
- (۱۴۵) العلوانی، ڈاکٹر جابر فیاض، اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب، ص: ۱۷-۱۸، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۷ء۔
- (۱۴۶) عثمانی، مفتی محمد تقی، تقلید کی شرعی حیثیت، ص: ۱۶۰، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء۔
- (۱۴۷) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- ۱- بخاری، صحیح البخاری، ۱: ۵۶۔
- ۲- النسائی، سنن النسائی، ۸: ۴۷۹، (حدیث نمبر: ۵۰۱۲)۔
- ۳- البيهقي، السنن الكبرى، ۲: ۵، (حدیث نمبر: ۲۱۹۸)۔
- (۱۴۸) القاری، علی بن سلطان محمد، شرح فقہ اکبر، ص: ۱۵۵، قدیمی کتب خانہ کراچی، سن ندارد۔
- (۱۴۹) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- ۱- ابن عابدین، محمد امین، رد المحتار، ۳: ۳۱۲، مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ، ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء۔
- ۲- حصکفی، شیخ محمد علاء الدین بن علی، درالمختار، ۳: ۳۱۶، مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ، ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء۔
- ۳- ابن عابدین، محمد امین، شرح عقود رسم المفتی، ص: ۲۹، قدیمی کتب خانہ کراچی، سن ندارد۔
- (۱۵۰) القاری، علی بن سلطان محمد، شرح فقہ اکبر، ص: ۱۶۲، قدیمی کتب خانہ کراچی، سن ندارد۔